قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۷ شمارہ: ۱۱
ذوالقعدۃ: ۱۴۳۵ھ - ستمبر: ۲۰۱۴ء
قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زرِ سالانہ: ۳۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی 74800، پوسٹ بکس نمبر 3465
فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی 74800

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس: +92-21-34919531
Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

www.banuri.edu.pk

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

اسرائیلی جارحیت اور عالم اسلام!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مدارسِ عربیہ کے لیے لائحہ عمل!	۸	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
دار العلوم دیوبند اور فتنۂ عدمِ تقلید کا تعاقب	۱۴	مولانا محمد اللہ قاسمی
عہدِ رسالت میں صحابہ کرامؓ کی فقہی تربیت (قسط:۴)	۲۲	مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی
زندہ اسلام اور مردہ عیسائیت!	۳۳	مولانا فضل محمد یوسف زئی
العدل جلّ جلاله	۳۷	مولانا ڈاکٹر محمد اشرف کھوکھر
میرے درد کی دوا کرے کوئی!	۴۰	مولانا محمد شفیع چترالی
فرض نمازوں کے بعد دعا کی اہمیت (قسط:۱)	۴۳	ترجمہ: مولانا عمران ولی
الفاظِ طلاق سے متعلقہ اُصولوں کی تفہیم وتشریح (قسط:۹)	۴۸	مفتی شعیب عالم

یادِ رفتگاں

الحاج نثار احمد خاں فتحی رحمۃ اللہ علیہ	۵۳	مولانا سید محمد زین العابدین

دار الافتاء

قربانی کے احکام ومسائل!	۵۷	ادارہ

www.banuri.edu.pk

اسرائیلی جارحیت اور عالم اسلام!

الحمد للّٰہ وسلام علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

عالم دنیا کے حکمرانوں پر عجیب قسم کی غنودگی، نیم بے ہوشی اور سکتہ کی کیفیت طاری ہے کہ جو بھی ظالم وجابر حکمران اور عنادی وفسادی جتھا کوئی جھوٹا افسانہ وڈراما گھڑنے اور تیار کرنے کے بعد جس پرامن اور بے ضرر قوم وملک پر حملہ اور یلغار کرکے اس کو تہس نہس کردے یا اس ملک کی بے گناہ عوام کو گولیوں، بموں اور فضائی حملوں سے بھون ڈالے، اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ نہ ہی اس کا کوئی ہاتھ روکنے والا ہے اور نہ ہی اس یلغار وخلفشار اور فضائی حملوں کی ان سے کوئی دلیل اور توجیہ طلب کرسکتا ہے۔

ان حالات میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی انسانوں اور شعور رکھنے والی قوموں کی دنیا نہیں، بلکہ جانوروں اور حیوانوں کے ریوڑ کا کچھار ہے کہ جہاں طاقتور کا ہر حکم اور ہر عمل درست اور کمزور کی ہر حرکت اور ہر فعل غلط، ناجائز اور قابل گردن زدنی گردانا جاتا ہے۔

عراق میں کیمیائی ہتھیاروں کی موجودگی کا جھوٹا افسانہ برپا کرکے صدر صدام حسین کی حکومت کا تختہ الٹا گیا، اس کو پھانسی کے گھاٹ اتارا گیا اور عراقی عوام کے ہزاروں افراد مرد وزن صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے گئے اور کئی سال گزرنے کے بعد وہاں کی عوام یہ تمام مظالم آج تک برداشت کررہی ہے۔

افغانستان میں اسامہ بن لادن کا ہَوّا کھڑا کرکے افغانستان کی عوام کو گاجر مولی کی طرح کاٹا گیا، جس کے برے اثرات دیر تک وہاں کی عوام سہتی رہے گی۔ اور پھر یہی ڈرامے پاکستان بھر میں مختلف ناموں اور ٹائٹلوں کے ساتھ دُہرا کر ہزاروں نوجوانوں کو ابدی نیند سلا دیا گیا اور سینکڑوں کو پس زنداں دھکیل دیا گیا، جن کا آج تک نہ کوئی نام ونشاں ہے اور نہ ہی کوئی اتا پتا ہے۔

کچھ یہی انداز ایک بار پھر برطانیہ اور امریکہ کے لے پالک اسرائیل نے غزہ اور فلسطین کے مسلمانوں کے خلاف دہرایا ہے۔ اور کہا ہے کہ انہوں نے تین یہودیوں کو اغوا کرنے کے بعد قتل کردیا ہے یا انہیں ابھی تک قید میں رکھا گیا ہے۔ حماس نے بار بار اس کی تردید کی اور کہا ہے کہ گمشدہ اسرائیلی ہمارے قبضہ میں نہیں اور نہ ہی ہمیں ان کے بارے میں کچھ علم ہے، لیکن اسرائیل اس کو جواز بنا کر ۸؍جولائی سے آج تک ۱۹۰۰ سے زائد بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کو شہید کرچکا ہے اور دس ہزار سے زائد فلسطینی عارضی کیمپوں اور اسکولوں میں پناہ گزین ہیں، نہ ان کے پاس غذائی اجناس پہنچ پارہی ہیں اور نہ ہی کوئی دوائی ان تک پہنچنے دی جارہی ہے۔

۵۰ سے زائد نام نہاد اسلامی ممالک کے حکمران ہیں، وہ ایسے خوابِ غفلت اور خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں کہ نہ ان فلسطینیوں کی چیخیں اور آہیں ان کو سنائی دیتی ہیں اور نہ ہی ان کی اجتماعی قبریں اور جنازے انہیں نظر آتے ہیں، **فیاللأسف**۔ اگر یہ مظلوم مسلمانوں کی حمایت یا تائید کے لیے کوئی بیان دیتے ہیں یا اپنی اسمبلیوں میں کوئی قرارداد لاتے ہیں تو وہ بھی ایسی پھسپھسی، بے مغز اور بے جان ہوتی ہے کہ جس کا نہ کوئی اثر لیتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی توجہ کی جاتی ہے۔

اب تو عالم اسلام پر ایسی بے حسی اور مردنی چھائی ہوئی ہے کہ ان میں اجتماعیت، اتحاد اور اتفاق نام کی ڈھونڈنے سے بھی کوئی چیز نہیں ملتی۔ ہر اسلامی ملک انتشار و افتراق کا شکار ہے، کئی جماعتیں ہیں، کئی گروہ ہیں، جو آپس کی سرپھٹول میں لگے ہوئے ہیں۔ اور دوسرے ممالک‘ مسلمانوں کے بارہ میں انہیں کوئی غرض ہی نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر اب مسلم ممالک کے حکمران اسرائیل کے بارہ میں کیا سوچ رکھتے ہیں، اس کی تھوڑی سی جھلک روزنامہ جنگ کے امریکہ میں مقیم نمائندہ اور کالم نگار جناب محترم عظیم ایم میاں صاحب کے ۶؍اگست کے کالم میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، جس کے چند اقتباسات یہ ہیں کہ:

’’رہی بات مسلم حکمرانوں کی تو بطور نمونہ خود اپنے پیارے پاکستان جہاں کے عوام کے جذبات فلسطینیوں کے لیے انتہائی مخلصانہ اور برادرانہ ہیں، اس پر ۹؍سال تک آمرانہ حکومت کرنے والے جنرل (ر) پرویز مشرف کے وہ خیالات آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں جن کا اظہار انہوں نے براہ راست مجھ سے ۲۰۰۳ء میں واشنگٹن میں کیا۔ وہ امریکی صدر جارج بش سے کیمپ ڈیوڈ میں ملاقات اور مذاکرات کرکے بڑے خوش لوٹے تھے، پاکستان کے لیے امداد کا اعلان کیا گیا تھا۔ واشنگٹن کا ’’فورسیزن ہوٹل‘‘ پاکستانی وفد کی گہما گہمی اور سیکرٹ سروس کی چوکسی کے مناظر پیش کررہا تھا۔ جنرل (ر) مشرف کے ساتھ ’’جیو/ جنگ‘‘ کے لیے میرا یہ پہلا خصوصی انٹرویو طے تو تھا، مگر دوپہر سے سہ پہر اور پھر شام تک ملتوی کیا جاتا رہا۔ بہرحال اس ماحول اور تناظر میں رات آٹھ بجے کے بعد جب میرے انٹرویو کا مرحلہ آیا تو جنرل پرویز مشرف نے

دورہ، پاک-امریکہ تعلقات کی تازہ صورتحال پر بات کرتے ہوئے بڑے بااعتماد لہجے میں کہا کہ: ’’ہمیں اپنا مفاد دیکھنا چاہیے، ہم فلسطینیوں سے بھی زیادہ فلسطینی بنتے ہیں۔ ہمیں فلسطینیوں نے کیا دیا ہے؟ ان کی وجہ سے ہم اسرائیل، امریکہ اور اس کے حامیوں کی ناراضگی مول لیتے ہیں‘‘۔ آنے والے وقت میں جنرل مشرف کے امریکی بااثر یہودی تنظیموں سے رابطے اور اسلام آباد کے خاموش دوروں اور نیویارک میں ایک یہودی تنظیم کے ڈنر سے جنرل مشرف کے خطاب نے بالکل واضح کردیا کہ وہ فلسطینیوں اور اسرائیل کے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے تھے۔ اس عملی مثال بلکہ حقیقت کو آپ دیگر مسلمان حکمرانوں کے خاموش رویے، ضرورتِ اقتدار پر بھی لاگو کرسکتے ہیں، ورنہ ان ممالک کے عوام تو واضح طور پر فلسطینیوں کے حق میں رائے رکھتے اور دعائیں کرتے نظر آتے ہیں، مگر یاد رکھیے کہ جس جارحانہ کام کا آغاز غزہ کی پٹی سے ہوا ہے اور جس تباہی کا شکار عراق، شام اور لیبیا ہو رہے ہیں، وہ سفر کرکے جنوب مغربی ایشیا تک آنے والا ہے۔ اسرائیل اور بھارت کے درمیان واقع ممالک کے حکمران اور سیاست دان یاد رکھیں۔ جب ہر چیز آپ کے قابو سے باہر نکل جائے گی اور غیروں کا عالمی ایجنڈا اور آپ کی قومی شناخت کے دشمن اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھا چکے ہوں گے تو پھر نظریہ سازش اور مخالفین کو برا بھلا کہہ کر ہم اپنے دھرنے، اور مبہم انقلاب کے نعروں کو غلط وقت پر لگائے جانے والے نعروں کے زخم اسی طرح چاٹتے نظر آئیں گے، جس طرح مصر کے تحریر اسکوائر میں جمع ہوکر مصر میں انقلاب لانے والے چند دنوں کی حکومت کے بعد اب اپنی ہی فوج کے سربراہ کے ہاتھوں نہ صرف زنداں میں بند ہیں، بلکہ مصری فوج کا کمانڈر انچیف اب سربراہِ مملکت کے طور پر غزہ کے مسلمانوں کے بارے میں اسرائیلی خواہشات کا تابع نظر آتا ہے۔ مجھے تو غزہ کی پٹی سے لے کر افغانستان اور پاکستان تک برج اُلٹتے نظر آرہے ہیں، خدا کرے ایسا نہ ہو۔‘‘

آپ نے سابق صدر پاکستان کے خیالات ملاحظہ فرمالیے کہ: ’’ہم فلسطینیوں سے بھی زیادہ فلسطینی بنتے ہیں اور ہمیں فلسطینیوں نے کیا دیا ہے؟۔‘‘ یہی زہر پہلے عربوں میں پھیلایا گیا کہ آپ عرب ہیں، عربوں کو دیکھیں، پھر انہیں کہا گیا کہ آپ اپنے وطن کو دیکھیں، جیسے ہمارے ہاں نعرہ لگایا گیا کہ: ’’سب سے پہلے پاکستان‘‘ **نعوذ باللّٰہ من ذٰلک**، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات بالکل اس کے برعکس ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱:- **’’تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل الجسد إذا اشتکی عضو تداعیٰ لهٗ سائر الجسد بالسهر والحمی‘‘۔** (بخاری ومسلم عن النعمان بن بشیرؓ)

’’تم باہمی الفت ومحبت، شفقت وعنایت اور رحم وکرم میں تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند دیکھو

www.banuri.edu.pk

گے، اگر جسم کے ایک حصہ میں کوئی تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔‘‘

۲:-’’المؤمنون کرجل واحد إن اشتکی عینہ اشتکی کلہ، وإن اشتکی رأسہ اشتکی کلہ‘‘۔ (صحیح مسلم)

’’مومنوں کی مثال ایک آدمی کی ہے، اگر اس کی آنکھ کو تکلیف ہو تو سارا جسم بے تاب ہو جاتا ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تب بھی سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے۔‘‘

۳:-’’المؤمن للمؤ من کالبنیان یشد بعضہ بعضًا ثم شبک بین أصابعہ‘‘۔(متفق علیہ)

’’ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے ایک عمارت کی مختلف اینٹیں کہ وہ ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں۔‘‘

۴:-’’المسلم أخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ، ومن کان فی حاجۃ أخیہ کان اللّٰہ فی حاجتہ، ومن فرج عن مسلم کر بۃً فر ج اللّٰہ عنہ کر بۃً من کربات یوم القیا مۃ، ومن ستر مسلمًا سترہ اللّٰہ یوم القیامۃ‘‘۔ (بخاری ومسلم عن ابی ہریرۃؓ)

’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرسکتا ہے، نہ اُسے بے سہارا چھوڑ سکتا ہے۔ اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے کام میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام بنا دے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کردے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔‘‘

’’الرا حمون یر حمھم الرحمٰن، ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء‘‘۔(ابوداؤد)

’’رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔‘‘

مسلم حکمرانوں میں یہ جمود، قنوط اور یاس کی کیفیت اس لیے پیدا ہوئی کہ انہوں نے اپنا نصب العین اور انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید چھوڑ کر اغیار کی تقلید کو نظریۂ حیات بنایا اور دشمنوں پر تکیہ اور بھروسہ کیا، انہیں کی دی گئی پالیسیوں پر چلتے رہے اور بے دام غلام کی طرح ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے رہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ ان کی عوام کو امن وسکون ملا اور نہ ہی ان کے آقا وسرپرست ان سے خوش ہوئے، ’’نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم، نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے۔‘‘

اسرائیلی مظالم کی تاب نہ لاتے ہوئے اور ان کی سفاکیت و بربریت کو دیکھتے ہوئے برطانیہ کی ایک رکن سعیدہ وارثی نے اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ اسرائیلی ہتھیاروں پر پابندی لگائے، انہوں نے کہا کہ غزہ میں مہم جوئی اور ایک ماہ میں اٹھارہ سو سے زائد فلسطینیوں کا قتل کسی بھی طرح کبھی جائز اور منصفانہ نہیں ہوسکتا ہے۔ اور یہ بالکل حق بات ہے کہ جب سے اسرائیل کو اس خطہ میں آباد کیا گیا، اس وقت سے اس نے غزہ اور فلسطین کے مسلمانوں کو نشانے پر رکھا ہوا ہے اور یہ جرأت اُسے اس لیے ہوتی ہے کہ امریکہ اور برطانیہ نے مل کر اس سانپ کو اسلام اور مسلمانوں کو ڈسنے کے لیے جنم دیا

ہے اور وہی اس کی پرورش کرتے ہیں اور آج بھی یہی دونوں ممالک اس کو دودھ پلا رہے ہیں۔

ان اسلام دشمنوں کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ ان کو اقتصادی مار دی جائے، عالم اسلام احتجاجاً اقوامِ متحدہ سے کنارہ کشی اختیار کرکے اپنا مسلم متحدہ محاذ بنائے۔ امریکہ، برطانیہ اور ان کی لونڈی اقوام متحدہ پر واضح کردیا جائے کہ اگر وہ اسرائیل کی پشت پناہی سے باز نہ آئے تو ان سے سفارتی روابط اور تعلقات ختم کردیئے جائیں گے۔

اسرائیل نے ہمیشہ اقوام متحدہ کے ضابطوں کی خلاف ورزی کی، اس کی قراردادوں کو پائے حقارت سے ٹھکرایا۔ وہ باسٹھ سال سے فلسطین کے نہتے شہریوں کے مکانوں اور مساجد کو بے دریغ اور مسلسل بمباری کرکے تباہ کررہا ہے۔ یہ مناظر اتنے ہولناک اور دلدوز ہیں کہ امریکی اور دیگر ممالک کی غیر مسلم اقوام جو اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں، وہ بھی احتجاج کررہے ہیں اور اسرائیل کی مذمت کررہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیائے اسلام کے حکمران سر جوڑ کر بیٹھیں، ان مشکل حالات کا تجزیہ کریں اور ان کے حل کے لیے کوئی راہ نکالیں، اس لیے کہ زندہ اور بے دار مغز قومیں مشکلات میں اپنا راستہ خود نکالا کرتی ہیں، ان کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں، انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے طریق کار خود وضع کرتی ہیں، انہیں نہ کسی کو راضی کرنے کی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کے ناراض ہونے کی کوئی پرواہ۔ وہ تو صرف اور صرف اپنے رب کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے سب کچھ کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے پاس پٹرول ہے، پیسہ اور دولت ہے، وہ تین کام بآسانی کرسکتے ہیں:

۱:...... پٹرول کی سپلائی ان کو بند کردی جائے۔ ۲:......عربوں کی جو دولت اور پیسہ یہودی بینکوں میں ہے، اس کو نکال کر مسلمان ممالک کی بینکوں میں رکھا جائے اور ان سے حاصل شدہ منافع کو اسلامی ممالک کی عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جائے۔ ۳:......ان سے تجارت اور ان کی مصنوعات کا یکسر بائیکاٹ کیا جائے اور ان کے بالمقابل اسلامی ممالک میں ان مصنوعات کے معیار کے مطابق اپنی مصنوعات کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے۔ ان تدابیر سے ان شاء اللہ! ان کا دماغ درست ہوجائے گا اور اس پر سوار مسلم دشمنی کا نشہ کافور ہوجائے گا۔

باقی رہی مسلم عوام کی ذمہ داری، ایک تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اس کی بارگاہ میں سربسجود ہو، اس سے آہ وزاری کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ تائب ہو اور مزید یہ کہ مغربی تہذیب کا قلع قمع کیا جائے۔ اپنے آپ کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی مغربی تہذیب کی نقالی سے دور رکھا جائے۔ آج یہ مظالم اور مفاسد، ہلاکتیں اور تباہیاں اس لیے بھی ہم مسلمانوں کا مقدر بنی ہیں کہ اور کمیوں کوتاہیوں کے علاوہ ہم نے مسلم تہذیب کا جنازہ نکال کر مغربی تہذیب میں اپنے آپ کو رنگ لیا ہے۔ آج اکثر ممالک کی عوام وخواص کو دیکھ کر پتہ نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہیں یا عیسائی، **نعوذ باللّٰہ من ذٰلک۔**

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلٰی آلہ وصحبہٖ أجمعین

www.banuri.edu.pk

مدارسِ عربیہ کے لیے لائحہ عمل ![1]

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۲/رجب ۱۳۸۹ھ

گرامی مآثر مخدوم ومحترم زیدت مفاخرکم العالیۃ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرصہ گزرا کہ والا نامہ باعث شرف ہوا تھا، مجھے بے حد ندامت اور افسوس اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے کہ جواب میں اتنی شدید تاخیر ہوئی۔ عمر میں آپ کا یہ پہلا والا نامہ آیا تھا، مجھے فوراً جواب دینے کی کوشش کرنی چاہیے تھی اور شاید میری عمر میں ہی کسی خط کے جواب میں اتنی شدید تاخیر کا یہ پہلا موقع ہوگا، بہرحال نادم ومقصّر ہوں، لیکن تاخیر دراصل صرف اس لیے ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ تعمیل حکم کے لیے مفصل عریضہ لکھوں اور اس کے لیے فرصت ونشاط کا متلاشی رہا، ایک طرف جامعہ کے سالانہ امتحان کا قرب، کتابوں کے ختم کرانے کی فکر اور دوسری طرف دوسرے مشاغل، کچھ مفید کچھ غیر مفید کاموں کا ہجوم، طبیعت میں نشاط کا فقدان، علمی کسل وغیرہ موانع پیش آتے رہے، ورنہ آپ کا نامۂ کرم جواب طلب خطوط میں سب سے پہلے رکھا تھا، امید ہے کہ میرے ان اعذار کی وجہ سے آپ معاف فرما کر ممنون کرم فرمائیں گے۔ جس وقت آپ کا یہ نصاب مرتب ہو چکا تھا، برادرم مولانا صاحب نے ایک کاپی ارسال کی تھی، اس وقت سرسری سی کچھ ترمیم پیش کی تھی اور ایک مختصر خط میں چند اصولی باتیں پیش کی تھیں۔ تجویز نصاب کا مسئلہ بے حد اہم اور وقت کا شدید تقاضا اور اہم ضرورت ہے، اور جیسا کچھ ہوسکے کوشش کر کے طے کرنے کی ضرورت ہے۔ اتفاق سے مجھے عرصہ سے اس کا احساس اور شغف رہا ہے، لیکن اس ضرورت کے لیے سنجیدہ دماغ، مخلص حضرات اور تجربہ کار اصحاب جمع ہوکر کوئی خاکہ تیار کریں تو بہتر ہوگا۔ انفرادی کوشش نہ تو مفید ہوسکتی ہے نہ مؤثر، نہ امت کے لیے قابل قبول۔ نصاب کے بارے میں تو میں بعد میں عرض کروں گا اور شاید اس مراسلہ میں اس کی نوبت نہ آئے، لیکن میرے خیال میں نصاب سے زیادہ اہم چند باتیں ہیں جو تعین نصاب کے لیے اصول موضوعہ کا کام دیتی ہیں، اس لیے عرض کرتا ہوں اور یہ مقصد نہیں کہ وہ چیزیں

حاشیہ(۱) حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت قابل احترام بزرگ کے نام مدارس عربیہ کی افادیت کو مزید بڑھانے کے سلسلے میں مندرجہ بالا گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

آنجناب کے پیش نظر نہیں ہیں، لیکن شاید زیادہ توجہ نہ ہو یا کم از کم لازم فائدۃ الخبر کے درجہ میں خیال فرمائیں:

۱:- نصاب کوئی بھی ہو، لیکن اساتذہ کے انتخاب میں زیادہ غور کی ضرورت ہے، اس کے لیے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

الف:...... مفوضہ کتابوں کی تدریس میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ استعداد بہت اعلیٰ ہو۔

ب:...... مخلص ہوں اور دل سے چاہیں کہ طلبہ کو علم آجائے۔

ج:...... جن علوم کو پڑھاتے ہوں ان سے شغف و طبعی مناسبت ہو، غرض یہ کہ محض وقت گزارنا یا معاش کی ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہ ہو۔ استعداد، اخلاص، شوق و مناسبت' یہ تین باتیں مدرسین کے لیے معیارِ انتخاب ہوں۔

۲:- طلبہ کی آسائش و راحت کا پورا خیال رکھا جائے، اگر مدرسہ میں سو طلبہ کے لیے وسعت اور راحت کا انتظام نہ ہو تو بیس رکھے جائیں، لیکن ان کی عملی نگرانی بہت سخت کی جائے۔ درسوں میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، اور تسامح نہ کیا جائے، مثلاً اگر سہ ماہی میں فیل ہوگیا تو ششماہی کے لیے تنبیہ کی جائے کہ اگر ششماہی میں فیل ہوگیا تو سالانہ امتحان میں نہ لیا جائے گا، اس میں کوئی مراعات ہرگز نہ کی جائے کہ یہی مراعات سمِ قاتل ہے۔

۳:- اساتذہ کو کتابیں پڑھانے کے لیے اتنی دی جائیں کہ آسانی سے ان کا مطالعہ کرسکیں اور ان کے متعلقات کو دیکھ سکیں اور ان کو صرف اس کتاب کے حواشی و شرح پر کفایت نہ کرنی چاہیے، بلکہ فن کی اعلیٰ کتابیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

۴:- ہر درجہ کے مناسب طلبہ کو بھی مطالعہ کے لیے کتابیں دینی چاہئیں اور ان میں امتحان ضروری ہو، یعنی بغیر تدریس کے صرف مطالعہ سے وہ ان کتابوں پر عبور حاصل کرلیں اور امتحان دیں۔

۵:- طلبہ کی اخلاقی نگرانی بہت شدید ہونی چاہیے۔ اسلامی حلیہ اور دینی وضع میں کوئی مسامحت برداشت نہیں کی جاسکتی، بلکہ غبی محنتی کو برداشت کیا جائے اور ذکی مستعد آزاد کو نہ رکھا جائے۔ مدرسہ میں قواعد وضوابط ایسے ہوں کہ نماز کی پابندی اور لباس و پوشاک میں علمی وضع کی حفاظت ملحوظ ہو۔

۶:- مسابقت کے امتحانات مقرر ہوں، نیز ہر سہ ماہی، ششماہی امتحانات میں طلبہ کی اعلیٰ کامیابی پر وظیفہ دینا چاہیے۔

۷:- ہر سال امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا محض عام استعداد و قابلیت کا رکھنا چاہیے، جس کا کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، ہاں! اس درجہ کی اہلیت ضروری ہے۔

۸:- عربی بولنے کی قابلیت مقاصد میں شامل کرنی چاہیے، تین سال کے بعد تدریس کی زبان عربی ہونا چاہیے۔

۹:- عربی ادب پر خاص معیار سے توجہ دینی ہوگی، تقریر و تحریر کی تربیت دی جائے اور اس کے لیے بہت تفصیل طلب اور مہم تنبیہات کی حاجت ہے جو بعد میں عرض کروں گا۔

www.banuri.edu.pk

۱۰:- ہر زمانہ کا ایک فن ہوتا ہے، اس زمانہ کا مخصوص فن تاریخ وادب ہے، اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

۱۱:- قرآن کریم کا ترجمہ ابتدا سے شروع کرنا چاہیے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہیے۔ بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداءً زیرِ درس ہونا چاہیے اور قابلیت بڑھانے کے لیے مخصوص اجزا اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور لغوی و ادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیے۔

۱۲:- طلبہ کے مطالعہ کے لیے ایک دارالمطالعہ مخصوص ہو، ان کے لیے مفید کتابیں اور عربی مجلّات و جرائد رکھنے چاہئیں۔

۱۳:- مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں ایک رقم مستقل بسلسلہ اصلاحِ نصاب اور تبدیل کتب علیحدہ کرنا ضروری ہو، یہ اس لیے کہ نصاب کی مشکلات میں سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہمارے غریب مدارس کے لیے قلتِ سرمایہ کا ہے۔

۱۴:- تین نصابوں کی ضرورت ہے:

الف:...... ایک سہ سالہ نصاب: جس میں فقہ، قرآن وحدیث، تاریخ، صرف ونحو، معانی، ادب، عقائد اور فرائض شامل ہوں، تاکہ جو شخص صرف اپنی ضرورت کے لیے عالم بننا چاہتا ہو، وہ علم حاصل کرسکے، تعلیم وتدریس کو پیشہ نہیں بنانا چاہتا ہو، بلکہ تجارت وغیرہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔

ب:...... مدرس وعالم بننے کی لیے نصاب زیادہ سے زیادہ ہشت سالہ ہو۔

ج:...... تیسرا نصاب درجہ تکمیل کا ہے، ایک سال کا اور دو سال کا، اس میں مفتی، محدث، ادیب، مؤرخ، وغیرہ اسی قسم کے چند شعبے ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ نصاب خواہ کوئی بھی ہو، لیکن اگر ان امور کی رعایت کی جائے تو ان شاء اللہ! اچھے عالم نکل سکیں گے۔

طلبہ میں تکثیر سواد کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ معیارِ انتخاب کے مطابق کوشش کرنی چاہیے، چاہے جتنے بھی کم ہوں۔ جو طلبہ ذہین وذکی اور مستعد ہوں، ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے لیے مختلف وجوہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً: مخصوص وظیفہ جاری کرنا، درجہ تکمیل میں جانے کی ترغیب دینا، بلکہ درجہ تکمیل میں باقاعدہ ایسا وظیفہ دیا جائے جو ضروریاتِ زندگی کے لیے کفایت کرے۔ ایک اہم بات جو سلسلۂ تعلیم میں ضروری ہے اُسے لکھنا بھول گیا، وہ یہ کہ ابتدائی کتابیں قابل اساتذہ کے پاس ہوں، مثلاً: ہر بڑے استاد کو ایک چھوٹی کتاب دی جائے، اس میں طرفین کا فائدہ ہوگا، طلبہ کو تجربہ کار استاذ سے استفادہ کا موقع ملے گا اور مدرس کا کام ہلکا ہوجائے گا، بجائے ایک بڑی کتاب کے چھوٹی کتاب ہوگی، جس میں اُسے زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑے گی، اور جب مدرس مخلص ہوگا تو یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا کہ بڑی کتابیں پڑھانے والا چھوٹی کتابیں پڑھانا اپنی توہین سمجھے۔

نصاب کے بارے میں ایک چیز قابل گزارش ہے کہ موجودہ نصاب میں سوائے چند کتابوں کے کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے بہتر قدماء کی عمدہ تالیفات نہ مل سکتی ہوں۔ نصاب کی ترمیم میں یہ بات پیش نظر رکھنا

بے حد ضروری ہے کہ کتابیں ایسی داخل درس ہوں جن میں کتاب کی لفظی بحثیں کم ہوں اور مصنف کے الفاظ کے مطالب بیان کرنے میں وقت زیادہ صرف نہ ہو، مثلاً: اگر اختصار شدید سے کاغذ کم خرچ کیا گیا، لیکن تفہیم میں دماغ اور وقت کتنا زیادہ لگا، اتنا وقت اگر حفظ مسائل پر خرچ ہوگا تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ملکہ وبصیرت مختصراتِ مخلّہ سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ زیادہ تر کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ تفہیم مقاصد ومسائل میں پورا انشراح حاصل ہو، اگر چہ جزئیات کا استیعاب نہ ہوسکے۔ بعض متونِ درسیہ میں اگر چہ استقصاء مسائل زیادہ ہے، لیکن پہلا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور وہ زیادہ ضروری ہے۔ رہا معاشیات واقتصادیات وسیاسیات کا داخل نصاب ہونا تو یہ مرحلہ اتنا مشکل نہیں، امت کو اس کی اتنی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ اس کے لیے بہت مل جاتے ہیں، مشکل تو ''رسوخ فی العلم'' ہے۔ ہمیں صحیح العلم، راسخ العلم، ذکی اور مخلص علما تیار کرنے ہیں۔ یہ چیزیں مطالعہ کی ہیں، بآسانی بعد الفراغ حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہ چند باتیں اس وقت مختصر فرصت میں نہایت استعجال وارتجال کے ساتھ پیش کررہا ہوں، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ والسلام خیر ختام۔ ۱۳۸۹ھ

دینی مدارس کے علما وطلبا کے لیے لمحہ فکریہ

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر وبرکت اور ان کا منصب تعلیم وتعلم نہایت ہی اونچا اور لائق فخر ہے۔ یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعت الٰہی کے محافظ اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے معلم ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں دین کی تعلیم وتعلم کے جو فضائل آئے ہیں، ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے، اس کی قیمت بھی اتنی ہی اونچی ہے، اور وہ صرف رضاء الٰہی اور نعیم جنت ہی ہوسکتی ہے۔ اگر اس گوہر بے بہا کی قیمت متاع دنیا کو ٹھہرالیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہوسکتی ہے؟ حدیث میں صاف وصریح وعید وارد ہے کہ: ''**من تعلم علما مما يُبتغى به وجه الله لايتعلمه إلا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة**'' (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ عن ابی ہریرہؓ)

یعنی ''جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے، مگر وہ اس کو صرف متاعِ دنیا کے لیے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی''۔ سنا ہے کہ حضرت فقیہ عصر محدث وقت عارف باللہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہ کی تپائیوں کے سامنے طلبہ کی بجائے بیل بیٹھے ہیں، فرمایا: إنا للّٰہ، اب لوگ علم دین کو پیٹ کے لیے پڑھنے لگے۔

ہمارے اکابر کے لیے علم وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور امامت وخطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے، بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، ذکر وشغل اور اتباع سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگارکھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جارہی ہے، اساتذہ وطلبہ میں شب خیزی، ذکر وتلاوت، زہد وقناعت، اخلاص وللّٰہیت اور محنت وجانفشانی کی فضا ختم ہورہی ہے۔ نماز فجر کے بعد تلاوتِ قرآن کریم کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر

www.banuri.edu.pk

پہنچادی ہیں اور ہمارے دینی قلعے، دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہورہے ہیں۔ یہ وہ دردناک صورت حال ہے جس نے اربابِ بصیرت، اہلِ دل کو بے چین کررکھا ہے۔ ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (متع اللّٰہ الأمة بحیاتهم الطیبة المبارکة) نے اسی تأثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصل والا نامہ تحریر فرمایا ہے، اربابِ مدارس کی توجہ اور اصلاح کے لیے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اربابِ مدارس کے لیے وسیلۂ عبرت ونصیحت اور توجہ بنائے، آمین۔

مکتوب مبارک

''مدارس کے روزافزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی وبے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہوچکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہر العلوم، شاہی مسجد، مرادآباد وغیرہ کی ابتدا جن اکابر نے کی تھی، وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے، انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہلِ مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمادیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا۔ مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کرچکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہلِ مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں۔ روزافزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شرور وفتن اور تباہی وبربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہوجائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء وتحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحابِ نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے، وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں، اس لیے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کردیا کرے۔ مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا

نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے، جیسا کہ ابتدا میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا، البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو، اور ذکر کے لیے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہو کران کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا، اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا، اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگر چہ نہ ہو، مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے، ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں۔ عزیز مولوی نصیر الدین سلمہٗ، اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے، ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں، اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں، داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں، اکابر سے زمانہ میں جتنا بعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی۔ اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل ذکر'' میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الوابل الصیّب'' سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کیے ہیں، جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں۔ فضائل ذکر سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے۔ آپ میری درخواست کو زور دار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دار العلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں۔ یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، بقلم حبیب اللہ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۷۵ء، والسلام، مکۃ المکرّمۃ

☆☆☆

دارالعلوم دیوبند اور فتنۂ عدمِ تقلید کا تعاقب

مولانا محمد اللہ قاسمی

برصغیر ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وروایت کی آمد کا آغاز ہوگیا تھا۔ ہندوستان کے تقریباً تمام ہی حکمران علم دوست اور مذہبی واقع ہوئے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی تقریباً تمام اہم مسلم حکومتوں نے مذہبِ حنفی کا اتباع کیا اور فقہ حنفی ہی تمام قوانین و ضوابط کی بنیاد بنا رہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی غالب اکثریت مذہب حنفی کی پابند تھی۔ پوری مسلم تاریخ میں تقلید سے انحراف، اسلامی روایات سے بغاوت اور سلفِ صالحین سے نفرت وکدورت کا کوئی قابلِ ذکر ثبوت نہیں ملتا؛ لیکن آخری زمانے میں جب سلطنتِ مغلیہ رو بہ زوال تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کے ناپاک قدم پڑ چکے تھے، اس وقت نت نئی جماعتوں نے جنم لینا شروع کیا۔ عدمِ تقلید کا فتنہ بھی اسی تاریک زمانے کی پیداوار ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جانشینوں کی کوششوں سے ہندوستان میں ہمہ جہت اصلاحی تحریک شروع ہوئی۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا ایک محاذ جس طرح جہاد اور سیاسی اصلاح کا تھا، اسی طرح مسلم معاشرہ میں بدعات اور کفریہ وشرکیہ عقائد کے خلاف بھی محاذ کھولا گیا تھا۔ ان تحریک کے بانیوں کی جہاد بالاکوٹ میں ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں شہادت کے بعد بعض مفسد مزاجوں کے ذہن میں ائمۂ دین متین کی تقلید کا انکار اور فقہ وفقہاء بالخصوص حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے عناد کا خیال پیدا ہوا۔ اس جماعت کے سرغنہ مولوی عبدالحق بنارسی تھے، جنہوں نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کے مدعی بن کر لوگوں کو لامذہبیت کی طرف بلایا۔ وہ سفرِ حج میں سید صاحب کے ہم قافلہ تھے؛ لیکن ائمۂ کرام پر بدزبانی اور دیگر فاسد نظریات کی وجہ سے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے قافلہ سے نکال دیا تھا۔ مولوی عبدالحق بنارسی نے ہزارہا لوگوں کو عمل بالحدیث کے پردے میں قیدِ مذہب سے ہی بیگانہ کردیا۔ عمل بالحدیث کے نام سے صحابہؓ وسلفؒ سے بےزاری اور ائمۂ فقہ کی توہین کی یہ تحریک بظاہر مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی گھناؤنی سازش تھی۔ مولوی عبدالحق بنارسی کے انجام سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ اُنہوں نے خود

اعتراف کیا کہ میں نے عمل بالحدیث کے پردے میں وہ کام کیا کہ عبداللہ بن سبا سے نہ بنا تھا۔ (۱)

بدقسمتی سے اس تحریک میں مولانا نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خان قنوجی اور مولانا محمد حسین بٹالوی جیسے لوگ شامل ہوگئے۔ ان حضرات نے تقلید سے بیزاری اور نام نہاد عمل بالحدیث کو خوب فروغ دیا۔ یہ تمام غیر مقلد علماء انگریزوں کے بے حد خیر خواہ، برطانوی حکومت کے قصیدہ خواں اور پکے وفادار تھے۔ انہوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے فتوے پر دستخط سے انکار کیا اور جہاد کی تنسیخ پر رسائل بھی لکھے۔ ان کی خدمات کے صلہ میں برطانوی حکومت کی طرف سے ان کو انعامات اور نوازشیں ملیں، حتیٰ کہ انگریزی سرکار نے ہی اس جماعت کو جو پہلے خود کو ''محمدی'' کہتی تھی ''اہلِ حدیث'' کا نیا اور پُرفریب نام اَلاٹ کیا۔ آج بھی یہ جماعت خود کو فخریہ اسی نام سے یاد کرتی ہے۔ (۲)

علمائے دیوبند کا ردِعمل

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر وعلماء جماعتِ ولی اللّٰہی کے وارث ہونے کی حیثیت سے اسلامی علوم وروایات کے امین تھے اور ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کے مخالف تھے۔ دارالعلوم کے قیام کے ساتھ ہی جن داخلی فتنوں سے علمائے دیوبند کو سابقہ پڑا، ان میں ایک اہم فتنہ عدمِ تقلید کا بھی تھا۔ حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدینہ ہجرت کرجانے کے بعد دہلی میں میاں نذیر حسین دہلوی نے جو اکثر مسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل پر عمل کرتے تھے؛ مگر کسی امام کی تقلید کے قائل نہ تھے، حنفیوں کے خلاف ایک محاذ کھول دیا اور احناف کو دعوتِ مبارزت دینے لگے۔ اُنہوں نے ایسے تلامذہ تیار کیے جو پورے ملک میں ان کے خیالات ورجحانات کی تبلیغ کرتے۔ جن جن علاقوں میں ان کے تلامذہ تھے، ان علاقوں میں ان کے مسلک کی اشاعت ہوئی اور بقیہ ملک میں وہ زیادہ کام یاب نہیں ہوسکے۔ چوں کہ میاں نذیر حسین صاحب کا مرکزِ نشرواشاعت دہلی تھا؛ اس لیے قریبی مقامات تک ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی اطلاع پہنچتی رہتی تھی۔ یہ غیر مقلدین کسی امام کی تقلید کو ضلالت وگمراہی سے تعبیر کرتے اور دینی وشرعی مسائل پر گفتگو اور بحثوں میں انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کرتے۔ چناں چہ اکابر علمائے دیوبند نے اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا اور عوام الناس کے دلوں میں دین وشریعت، صحابہؓ وسلفؒ اور اسلامی علوم وروایات کی عظمت وعقیدت کو کم نہیں ہونے دیا۔

درسِ حدیث کا نیا طریقہ

اکابرین دیوبند نے ایک طرف درسِ حدیث کے طریقۂ کار میں نمایاں تبدیلی پیدا کی، تاکہ علما کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوسکے جس کو قرآن وحدیث اور فقہِ اسلامی پر مکمل بصیرت اور اعتماد حاصل ہو۔ تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک درسِ حدیث میں صرف حدیث کا ترجمہ اور مذاہبِ اربعہ کا بیان کردینا کافی سمجھا جاتا تھا، مگر جب اہلِ حدیث کی جانب سے احناف پر شد ومد کے ساتھ یہ الزام لگایا گیا کہ ان کا مذہب

حدیث کے مطابق نہیں ہے تو حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعض تلامذہ نے مذہبِ حنفی کے اثبات وترجیح پر توجہ فرمائی۔ علمائے دیوبند میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے اس سلسلہ کو یہاں تک فروغ دیا کہ آج حدیث کی کوئی معروف درس گاہ اس طرزِ تدریس سے خالی نظر نہیں آتی۔ درسِ حدیث میں حنفیہ کے اثبات وترجیح کا یہ طریقہ اور تنقیحات وتشریحات کا وہ انداز جو آج دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے اور کم وبیش مدارسِ عربیہ کے درسِ حدیث میں مروج ومتداول ہے، اُسے غیر مقلدیت کے اسی فتنہ کے ردِعمل میں فروغ دیا گیا۔

دوسری طرف اکابر علمائے دیوبند نے کتبِ احادیث کی شروح کا سلسلہ شروع کیا، جس میں فقہی احادیث پر ان حضرات نے تفصیلی کلام کیا اور احناف کی مستدل روایات کو واضح کیا اور بظاہر ان کے خلاف نظر آنے والی روایات کا مدلل جواب پیش کیا۔ ان حضرات کی یہ علمی کاوشیں فیض الباری شرح بخاری، اللامع الدراری شرح بخاری، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، الکوکب الدری شرح جامع ترمذی، بذل المجہود شرح سنن ابی داوٗد، معارف السنن شرح جامع ترمذی، اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، امانی الاحبار شرح معانی الآثار للطحاوی وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ کتبِ احادیث کی شرح وتحقیق کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اس میں بیش بہا اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے اہم علمی خدمت ''اعلاء السنن'' کے ذریعہ انجام دی گئی، جس کی تکمیل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ نگرانی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں انجام پائی۔ اس ضخیم مجموعہ میں فقہِ حنفی کے تمام مسائل کے مستدلات یعنی احادیث وآثار کو یکجا کرنے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا گیا ہے۔

مختلف فیہ مسائل پر تحریریں

ملک بھر میں اگرچہ غیر مقلدین آٹے میں نمک کے برابر تھے؛ لیکن ان کی جارحیت، ائمۂ فقہ کی شان میں گستاخی اور چھوٹے چھوٹے مسائل پر تعصب کی وجہ سے بہت سے مقامات پر عوام الناس میں تشویش پیدا ہونے لگی تھی، جس کی اطلاعات خطوط وغیرہ کے ذریعہ اکابر دیوبند کو ہوتی تھی۔ ان حضرات نے ملتِ اسلامیہ کو درپیش دیگر مسائل سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ ان مسائل کی طرف بھی توجہ دینا ضروری سمجھا؛ چناں چہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین، تراویح، وغیرہ مسائل پر قلم اُٹھایا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت عیسائیت، آریہ سماج، سناتن دھرم جیسی اسلام دشمن طاقتوں سے نبرد آزما تھے اور ان کی زیادہ تر توجہ اُنہیں طاقتوں کی طرف تھی جو اسلام کے قلعہ پر حملہ آور تھیں۔ اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسلام پر حملہ آور تمام داخلی فتنوں کے خلاف محاذ کھول دیا تھا؛ چناں چہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقلید، تراویح، قرأۃ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر، جمعہ فی القریٰ وغیرہ مسائل پر تحقیقی رسائل رقم فرمائے۔

غیر مقلدین، عوام میں شورش پیدا کرنے اور مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لیے نت نئے حربے اختیار کرتے ۔ اُنہوں نے اپنے چند مخصوص مسائل کے سلسلہ میں عوامی سطح پر بہت عامیانہ لب ولہجہ میں احناف کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنے کے لیے اپنے اعتراضات کو اشتہارات کی شکل میں شائع کرنا شروع کیا، جس سے ان کا مقصد عوام میں اشتعال پیدا کرنا اور خود کو مشہور کرنا تھا۔ علمائے حق کو مجبور ہو کر ان کی حرکتوں کا مناسب جواب دینا پڑا۔ مولوی محمد حسین امرتسری کے اسی طرح کے ایک اشتہار کے جواب میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ''ادلہ کاملہ'' تحریر فرمائی اور غیر مقلدین کے دس سوالات کا جواب لکھا۔ مولوی امرتسری کی طرف سے اس کتاب کا کوئی جواب نہیں آیا، بلکہ ان کے ایک ہم خیال مولوی احمد حسن امروہوی نے اس کا جواب لکھنے کی کوشش کی اور مولوی محمد حسین امرتسری نے اس کو ہی کافی سمجھا۔ پھر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں ''ایضاح الادلہ'' تحریر فرمائی جو بڑے سائز کے چار سو صفحات پر شائع ہوئی۔ یہ کتاب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ایک علمی شاہ کار ہے اور مسائل مختلف فیہ میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرات علمائے دیوبند نے دینِ اسلام کی نشر واشاعت کے ساتھ شریعتِ اسلامیہ کی حدود وثغور کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ عمل بالحدیث کے نام سے اباحیت، ذہنی آزادی اور ہویٰ پرستی کے اس فتنہ کے سلسلہ میں انہوں نے حسبِ موقع وضرورت زبان وقلم کا استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کے ذریعہ اٹھائے گئے مسائل پر ان حضرات نے تحقیقی مواد یکجا کر دیا۔ اس میدان میں خصوصیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ناظر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منصور علی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

غیر مقلدیت سلفیت کے پردے میں

ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف عوامی ردِ عمل اور تحریکِ آزادی میں شدت کی وجہ سے یہ فتنہ کچھ کمزور سا پڑ گیا اور خصوصاً ملک کے آزاد ہونے کے بعد یہ انگریزوں کی سرپرستی سے محروم ہوگیا؛ جس کی وجہ سے ایک عرصہ تک یہ فتنہ کچھ زیادہ طاقت ور نہ رہا؛ لیکن عالمِ عرب خصوصاً سعودی عرب میں تیل کی دولت کے ظہور کے بعد اس فتنے نے دوبارہ نہایت شد و مد کے ساتھ بال و پر نکالنے شروع کیے۔ عرب کی سلفی و وہابی تحریک سے ہم آہنگ ہو کر اس فرقہ کے لوگوں نے عربوں میں سلفیت کے پس پردہ اثر ورسوخ قائم کرنا شروع کیا اور وہاں سے مالی امداد پا کر ہندوستان میں دوبارہ افتراق بین الامت کے مشن پر لگ گئے۔ اس فرقہ نے بالکل خارجیوں جیسا طریقۂ کار اپنا کر نصوص فہمی کے سلسلہ میں سلفِ صالحین کے مسلمہ علمی منہاج کو پس پشت ڈال کر اپنے علم وفہم کو حق کا معیار قرار دے کر اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو حق و باطل اور ہدایت وضلالت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور فرد وطبقہ جو اُن کی اس غلط فکر سے ہم آہنگ نہیں تھا، اس کو انہوں نے ہدایت سے عاری، مبتدع، ضال ومضل، فرقۂ ناجیہ بلکہ دین اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا۔ اس فرقہ نے بالخصوص علمائے دیوبند کے خلاف ہمہ گیر مہم چھیڑ دی اور اُنہیں نہ صرف دائرۂ اہل السنۃ والجماعۃ

سے خارج قرار دیا؛ بلکہ دائرۂ اسلام سے ہی خارج کردینے کی ناپاک ونامراد کوشش میں لگ گئے۔

غیرمقلدین کی اس تکلیف دہ اور دل آزار مہم کے خلاف علمائے دیوبند نے پھراس موضوع پر قلم اٹھایا اور جن مسائل کو غیرمقلدین نے حق و باطل کا معیار بنادیا تھا، ان کو واضح کیا کہ ان میں اختلاف کی کیا نوعیت ہے اور ان اختلافات میں کہاں تک جانا ''اختلاف أمتی رحمة'' کا مصداق ہے اور کہاں تک جانا ''بغیًا بینهم'' کا مصداق ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور علمی طور پر اس فتنہ کا سدِ باب کیا۔

غیرمقلدوں کی اشتعال انگیزیوں اور حکومت سعودی عرب کی طرف سے ان کی سرپرستی کے ردعمل میں حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں جمعیۃ علمائے ہند نے ۲،۳مئی ۲۰۰۱ء میں دہلی میں تحفظِ سنت کانفرنس کا سلسلہ شروع کیا؛ تاکہ علمی طور پر اس فتنہ کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کی حکومت کو بھی اس فتنہ کی سرپرستی پر خبردار کیا جائے۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند نے بھی ۱۳رفروری ۲۰۱۳ء کو مدارسِ اسلامیہ اور علماء کا نمائندہ اجلاس بلایا اور ملک و بیرون ملک اس فتنہ کے تعاقب کا عہد کیا۔ علمائے دیوبند نے پورے ملک کے طول وعرض میں تحفظِ سنت اجلاسات اور کانفرنسوں کے ذریعہ شریعتِ اسلامیہ پر مسلم عوام کے اعتماد کو بحال کیا اور غیرمقلدین کے خارجیت زدہ ناپاک مشن پر قدغن لگانے کی بھرپور کوشش کی۔

فقہ اور فقہاء کے سلسلہ میں علمائے دیوبند کا موقف

علمائے دیوبند احکامِ شرعیہ فروعیہ اجتہادیہ میں فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں؛ بلکہ برصغیر میں آباد کم وبیش پچاس کروڑ مسلمانوں میں نوے فیصد سے زائد اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مسلک ہے؛ لیکن اپنے اس مذہب ومسلک کو آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانے یا ائمۂ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتے؛ کیوں کہ یہ حق و باطل کا مقابلہ نہیں ہے؛ بلکہ صواب وخطا کا تقابل ہے۔ مسائلِ فروعیہ اجتہادیہ میں ائمۂ اجتہاد کی تحقیقات میں اختلاف کا ہوجانا ایک ناگزیر حقیقت ہے اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف صحیح معنوں میں اختلاف ہے ہی نہیں۔

رہا جماعتِ مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی وتقلید کو خاص کرلینا تو دین کے بارے میں آزادیٔ نفس سے بچنے اور خودرائی سے دور رہنے کے لیے امت کے سوادِ اعظم کا طریقِ مختار یہی ہے، جس کی افادیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بابِ تقلید میں علمائے دیوبند کا یہی طرزِ عمل ہے۔ وہ کسی بھی امام، مجتہد یا اس کی فقہ کی کسی جزئی کے بارے میں تمسخر، سوئے ادب یا رنگِ ابطال وتردید سے پیش آنے کو خسرانِ دنیا وآخرت سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ اجتہادات شرائع فرعیہ ہیں، اصلیہ نہیں کہ اپنی فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں کی تردید یا تفسیق وتضلیل کریں، البتہ اپنی اختیار کردہ فقہ پر ترجیح کی حد تک مطمئن ہیں۔ (۳)

ردِ غیر مقلدیت پر علمائے دیوبند کی علمی خدمات

نمبر شمار	نامِ کتاب	مصنف/ مؤلف
۱	توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
۲	الحق الصریح	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
۳	لطائفِ قاسمی	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
۴	سبیل الرشاد	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
۵	ہدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
۶	الرأی النجیح	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
۷	ادلۂ کاملہ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
۸	ایضاح الادلۃ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
۹	الاقتصاد فی الضاد	حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ
۱۰	الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۱	استجاب الدعوات عقیب الصلوات	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۲	القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۳	فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب	حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ
۱۴	خاتمۃ الکتاب فی مسئلۃ فاتحۃ الکتاب	حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ
۱۵	نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین	حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ
۱۶	بسط الیدین لنیل الفرقدین	حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ
۱۷	کشف الستر عن صلاۃ الوتر	حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ
۱۸	ہدایۃ المقتدین	حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ
۱۹	الفرقان فی قراءۃ ام القرآن	حضرت مولانا ناظر دیوبندیؒ
۲۰	الجواب الکامل فی ازہاق الباطل	حضرت مولانا ناظر دیوبندیؒ
۲۱	خیر التنقید فی مسئلۃ التقلید	حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
۲۲	خیر المصابیح فی عدد التراویح	حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
۲۳	الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین	حضرت مولانا منصور علی مرادآبادیؒ
۲۴	نور العینین فی تحقیق رفع الیدین	حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

www.banuri.edu.pk

۲۵	قرآن وحدیث کے خلاف غیر مقلدین کے ۵۰ مسائل	حضرت مفتی مہدی حسن شاہجہان پوریؒ
۲۶	کشف الغمۃ بسراج الامۃ	حضرت مفتی مہدی حسن شاہجہان پوریؒ
۲۷	امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی	حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
۲۸	الازہار المربوعۃ فی رد الآثار المتبوعۃ	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
۲۹	رکعات تراویح	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
۳۰	الاعلام المرفوعۃ فی حکم الطلاقات المجموعۃ	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
۳۱	تحقیق اہلِ حدیث	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
۳۲	الالبانی: شذوذہ واخطاؤہ	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
۳۳	حجیتِ حدیث	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
۳۴	اجتہاد وتقلید کی بے مثال تحقیق	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
۳۵	حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
۳۶	امام ابوحنیفہؒ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ
۳۷	تقلید ائمہ	حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلی
۳۸	قرأت خلف الامام	حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ
۳۹	رفع یدین	حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ
۴۰	آمین بالجہر	حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ
۴۱	الکلام المفید فی اثبات التقلید	حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
۴۲	تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور	حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
۴۳	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ خلف الامام	حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
۴۴	طائفۂ منصورہ	حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
۴۵	عمدۃ الاثاث (طلاق ثلاث)	حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
۴۶	مقامِ ابی حنیفہؒ	حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
۴۷	ینابیع (تراویح)	حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
۴۸	وقفۃ مع اللامذھبیۃ	حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ
۴۹	غیر مقلدین کی ڈائری	حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری
۵۰	ارمغانِ حق	حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری
۵۱	صحابۂ کرامؓ کے بارے میں غیر مقلدین کا موقف	حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری

www.banuri.edu.pk

۵۲	عورتوں کا طریقۂ نماز	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی
۵۳	فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے	مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری
۵۴	حضرت امام ابوحنیفہؒ پر ارجاء کی تہمت	حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی
۵۵	علم حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا مقام ومرتبہ	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
۵۶	مسائل نماز	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
۵۷	امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت کا حکم	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
۵۸	تحقیق مسئلۂ رفعِ یدین	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
۵۹	خواتینِ اسلام کی بہترین مسجد	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
۶۰	طلاق ثلاث	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
۶۱	شریعتِ مطہرہ میں صحابۂ کرامؓ کا مقام اور غیر مقلدین کا موقف	حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی
۶۲	اجماع وقیاس کی حجیت	حضرت مولانا مفتی محمد راشد اعظمی
۶۳	محاضرات ردغیر مقلدیت	حضرت مولانا مفتی محمد راشد اعظمی
۶۴	مسائل وعقائد میں غیر مقلدین اور شیعہ مذہب کا توافق	حضرت مولانا محمد جمال میرٹھی
۶۵	توسل واستغاثہ بغیر اللہ اور غیر مقلدین	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بلندشہری
۶۶	غیر مقلدین کے ۵۶ اعتراضات کے جوابات	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی
۶۷	ایضاح المسالک	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی
۶۸	رسائل غیر مقلدیت	حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی
۶۹	فضائل اعمال پر اعتراض: ایک اصولی جائزہ	حضرت مولانا عبداللہ معروفی
۷۰	تقلید کی شرعی حیثیت	حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی
۷۱	تذکرۃ النعمان	حضرت مولانا عبداللہ بستوی مدنی

حواشی

۱:......کشف الحجاب، ص:۲۱، از قاری عبدالرحمٰن پانی پتی۔

۲:......الحیاۃ بعد المماۃ، مولوی تلطف حسین؛ الاقتصاد فی مسائل الجہاد، مولوی محمد حسین بٹالوی (تفصیل کے لیے دیکھئے: محاضرہ ردغیر مقلدیت، جزء اول، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی، دارالعلوم دیوبند)

۳:......تفصیل کے لیے دیکھئے: علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

(بشکریہ: ماہنامہ دارالعلوم، دیوبند، ماہ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ)

www.banuri.edu.pk

عہدِ رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت

اور اُس کے نتائج وثمرات (چوتھی قسط)

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

عہد صحابہؓ میں چھ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کی آرا کی پیروی

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۴۱ھ ''**کتاب العلل**'' میں بلند پایہ فقیہ وحافظ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کرتے ہیں:

عہد صحابہؓ میں چھ صحابہؓ: ۱:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴۰ق ھ-۲۴ھ/۵۸۴-۶۴۴ء) ۲:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۰۰۰-۳۲ھ/۰۰۰-۶۵۲ء) ۳:......حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۲۳ق ھ-۴۰ھ/۶۰۰-۶۶۱ء) ۴:......حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (۰۰۰-۲۱ھ/۰۰۰-۶۴۲ء) ۵:......حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۱۱-۴۵ھ/ ۶۱۱-۶۶۵ء) ۶:......حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ (۲۱ق ھ-۴۴ھ/۶۰۲-۶۶۵ء) فتویٰ دیتے تو ان کے قول پر بات ٹھہرتی، ان میں تین صحابی اپنے قول اور فتوے کو دیگر تین صحابہؓ کے مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اپنی رائے اور فتویٰ سے دست بردار ہوجاتے تھے۔[1]

اب یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ تفقہ، فقہی بصیرت اور تفریعِ مسائل کا نام ہی رائے ہے۔ عہدِ رسالت، خلافتِ راشدہ اور عہدِ صحابہؓ سے اس سنت پر عمل برابر جاری وساری تھا۔[2]

عظیم مجتہدین کی عظیم تر مجتہدین کے حق میں اپنی فقہی آرا سے دست برداری

یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ایک عظیم مجتہد کا دوسرے عظیم تر مجتہد کے مقابلے میں اپنی رائے کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کی رائے کو اختیار کرنا' اجتہاد کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ امام ابوالحسن الکرخی رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۰-۳۴۰ھ/۸۷۴-۹۵۲ء) فرماتے ہیں:

''**إن تقليد المجتهد لغيره ممن هو أعلم منه و ترک رأيه لرأيه ضرب من**

الاجتهاد فی تقویة رأی الأخر فی نفسه علی رأیه بفضل علمه و تقدمه و معرفة وجوه النظر والا ستدلال ، فلم یحل فی تقلیده إیاه من أن یکون مستعملاً لضرب من الاجتهاد یوجب عندهٗ رجحان قول من قلده''۔ (۳)

''بلا شبہ ایک مجتہد کا اپنے سے بڑے مجتہد و عالم کی تقلید کرنا اور اپنی اجتہادی رائے کو اس کی اجتہادی رائے کے مقابلے میں نظرانداز کرنا، دوسرے مجتہد کی رائے کو اپنی رائے کے مقابلے میں چھوڑنا دراصل اس کی علمی برتری اور علم میں اس کی پیش قدمی کی وجہ سے ہے۔ اس کی وجوہِ نظر کی معرفت اور استدلال کے پیش نظر ترجیح دینا اور اس کی تقلید کرنا اِس امر سے خالی نہیں کہ وہ اجتہاد کی ایک قسم پر عمل پیرا رہا، جس نے اس امر کو اس کے خیال میں ضروری کر دیا کہ اس نے جس کی تقلید اختیار کی ہے اس کے قول کو اپنے قول پر ترجیح دے۔''

چھ مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تین صحابیؓ کوفی

چنانچہ مذکورہ بالا چھ علما میں سے تین حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا شمار مجتہدین فقہاء کوفہ سے ہے۔ (۴) اور دوسرے تین حضرات علما و مجتہدین کا تعلق بقیہ اسلامی بلاد سے ہے۔

مذکورہ بالا چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کا شمار ان مجتہدین صحابہؓ میں ہے، جنہیں فقہ ونظر میں بلند مقام حاصل تھا، جو عہدِ رسالت میں بھی فتویٰ دینے کے اہل تھے اور فتویٰ دیتے تھے، چنانچہ مؤرخ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۸-۲۳۰ھ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں ایک مستقل باب ''**ذکر من کان یُفتی بالمدینه ویُقتدی به من أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم**'' قائم کیا ہے، اس میں ان مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کو نام بنام گنوایا ہے۔ (۵)

مجتہدین صحابہؓ میں تین صحابہ رضی اللہ عنہم پر ابوابِ احکام کی انتہا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۴ھ کا بیان ہے کہ احکام سے متعلق صحابۂ رسول ﷺ کا علم تین صحابہ رضی اللہ عنہم پر منتہی ہوا، انہی سے وہ علم سیکھا اور روایت کیا گیا:

۱:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ۲:...... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ۳:......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد تھے جو ان کے قول پر عمل کرتے اور لوگوں کو فتوے دیتے تھے۔ (۶)

مذکورہ بالا بیان سے بھی یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد صحابہؓ میں عوام الناس ان کے فتووں پر عمل پیرا رہتے تھے، غور فرمائیں کیا یہ تقلید شخصی نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے شاگرد اپنے استادوں

کے اقوال اور فتاویٰ کے مقلد و ناشر

مؤرخ علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۶۳ھ نے بسندِ متصل علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۴ھ کا بیان ان الفاظ میں زینتِ کتاب کیا ہے:

''لم یکن من أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أحد له أصحاب یقومون له بقوله فی الفقه إلا ثلاثة: عبداللّٰہ بن مسعودؓ وزید بن ثابتؓ و ابن عباسؓ و کان لکل واحد منهم أصحاب یقومون لقوله و یفتون الناس''۔ (۷)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک صحابیؓ ایسا نہ تھا جس کے شاگرد فقہ میں اس کے اقوال پر جمے رہتے اور عمل کرتے اور اس کے فقہی مذہب کو اختیار کرتے ہوں، مگر صرف تین صحابیؓ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے شاگرد اُن کے قول کو اختیار کرتے اور لوگوں کو اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔''

یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نامور مجتہد خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام رہ گیا ہے۔ ابوابِ احکام کی جن ائمہ مجتہدین پر انتہا ہوتی ہے، وہ تین نہیں چار ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عہد صحابہؓ (پہلی صدی ہجری) میں مطلق تقلید ہی نہیں، تقلید شخصی کا بھی عوام میں رواج ہو چلا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس کا موضوعِ سخن

صحابۂ رسولؐ رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ یہ فقہی بصیرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبیعت میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ ان کی مجالس میں موضوعِ سخن ہی فقہی مسائل ہوتے تھے۔ چنانچہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۰۵ھ ''المستدرک'' میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کرتے ہیں:

''أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذ اجلسوا کان حدیثهم معنی الفقه إلا أن یقرأ رجل سورة أو رجلاً أن یأمر بقراءۃِ سورةٍ''۔ (۸)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم جب بیٹھتے تو ان کا موضوعِ سخن فقہ اور فقہی مسائل ہوتے تھے، مگر یہ کہ کوئی صحابیؓ کوئی سورت پڑھنا شروع کرتا یا کوئی صحابیؓ کسی کو کوئی سورت کی تلاوت کی فرمائش کرتا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں موضوعِ سخن فقہی مسائل ہوتے تھے یا پھر قرآن کی تلاوت ہوتی تھی۔

www.banuri.edu.pk

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۷۰ھ ''أحکام القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''إن أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مجتمعون فی المسجد یتذاکرون حوادث المسائل فی الأحکام''۔ (۹)

''اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے حکموں کے متعلق آپس میں بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو فقہی بصیرت حاصل کرنے کی ترغیب وتاکید اور اس سنّتِ متوارثہ پر قرآن وسنت کی رہنمائی

امام ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۷۰ھ ''أحکام القرآن'' میں رقمطراز ہیں:

''محمد سیرین رحمۃ اللہ علیہ (۳۳ - ۱۱۰ھ/ ۶۵۳ - ۷۲۹ء) احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ (۰۰۰ - ۶۷ھ/ ۰۰۰ - ۶۸۶ء) سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیادت وسیادت سے بہرہ مند ہونے سے پہلے فقہی بصیرت (اور مسائل کے حل کا فہم) حاصل کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھ کر پیش آنے والے مسئلوں کے احکام میں مباحثہ کرتے تھے۔ (ان کے بعد) تابعین بھی اس طریقے وروش پر گامزن رہے اور ان کے بعد آنے والے فقہا کا ہمارے زمانے (۳۷۰ھ/ ۹۸۰ء) چوتھی صدی ہجری تک یہ سلسلہ بدستور قائم ہے۔''

اس حقیقت کا انکار رذیل اور جاہل لوگ کرتے ہیں جنہوں نے ملتی جلتی سنن وآثار کو اٹھا کر دیکھا، ان کے مطالب ومعانی اور احکام کو نہ پاسکے، ان میں بحث کرنے اور ان سے فقہی احکام نکالنے سے عاجز آگئے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''رُبَّ حامل فقه غیر فقیه و رُبَّ حامل فقه إلٰی من هو أفقه منه''۔ (۱۰)

''بہت سے فقہی حدیثوں کے راوی فقیہ نہیں اور بہت سے فقہی حدیثوں کے سننے والے ان کا منشأ ومطلب زیادہ اچھا سمجھتے ہیں۔''

اس حقیقت سے منکر جماعت کی مثال ایسی ہے جیسی اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے:

''مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ أَسْفَارًا''۔ (۱۱)

''ان لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہوئے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’إِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ‘‘۔ (۱۲)

’’یعنی وہ (باتیں جو یہ پوچھتے ہیں) تم پر کھولی جائیں تو تم کو بری لگیں گی۔‘‘

اس سے مراد بے محل و بے جا سوالات ہیں، جیسے ’’مَن أَبِیْ؟‘‘ ’’میرا باپ کون ہے؟ اور ’’أین أنا؟‘‘ میں کہاں ہوں؟ جن سے ہر شائستہ انسان کو ناگواری ہوتی اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اس قسم کے فضول و لایعنی سوالات کی قباحت وممانعت کا اظہار اس آیۂ شریفہ میں یوں کیا گیا ہے:

’’وَإِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَکُمْ‘‘۔ (۱۳)

’’اور اگر تم اُنہیں دریافت کرتے رہو گے اس زمانے میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔‘‘

اس قسم کے سوالات کی شریعت میں اجازت نہیں، لیکن ایسے سوالات جن سے حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور احکام الٰہی کی تعمیل کرنا مقصود ہو وہ اس کے زمرے میں داخل نہیں، یہی وجہ ہے کہ نت نئے مسائل کے متعلق احکام الٰہی کے اظہار و بیان سے کسی سائل کو ناگواری نہیں، بلکہ خوشی ومسرت ہوتی ہے، اس لیے کہ ان پر عمل سے ہر ایک کی دینی و دنیوی زندگی سنورتی ہے، چنانچہ ایسے تمام سوالات جن کا تعلق معاش کے شعبوں سے ہو یا معاد کے، ان سے مقصد احکام کی بجا آوری ہے، وہ سب ’’عفو‘‘ یعنی درگزر کے دائرے میں داخل ہیں، چنانچہ آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے: ’’عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا‘‘ ...... ’’اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے درگزر کیا۔‘‘ یعنی اس قسم کے دینی مسائل میں بحث وتکرار پر تم سے باز پرس نہیں کی اور ان مسائل کے حقائق تم پر روشن کردیئے۔ ذرا غور فرمائیں! یہ فقہی بصیرت کیسا عظیم احسان الٰہی ہے؟

اس مقام پر ’’عفو‘‘ درگزر کرنے کا مطلب ایسے سوالات سے درگزر کرنا، اجازت دینا، سہولت فراہم کرنا، اور لگائی ہوئی پابندی کو ڈھیل دینا، آسانی کرنا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’فَتَابَ عَلَيْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ‘‘۔ (۱۴) .... ’’اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کی۔‘‘

یہاں عَفَا عَنْکُمْ کے معنی سَهَّلَ عَلَيْکُمْ کے ہیں، یعنی تمہیں سہولت بخشی ہے (تم اس سے فائدہ اٹھاؤ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے:

’’الحلال ما أحل اللّٰه والحرام ماحرم اللّٰه وما سکت عنه فهو عفو‘‘۔

’’حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور جس سے اللہ تعالیٰ نے سکوت وخاموشی اختیار کی وہ عفو و درگزر کی حدود میں داخل ہے۔‘‘

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں سہولت دی گئی ہے، فائدہ اٹھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’عفوت لکم عن صدقة الخيل والرقيق۔‘‘ ..... (۱۵) ..... ’’میں نے تم سے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ سے درگزر کی۔‘‘ (۱۶) مذکورہ بالا ارشاداتِ نبوی سے اجتہاد کے موقع

ومحل کی تعیین بھی ہو جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہادی طریقے کی پیروی

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۷۳ھ ''المحرر فی أصول الفقه ''میں لکھتے ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''أصحابی كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم۔'' ......''میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح رہنما ہیں، ان میں سے تم جس کی پیروی کروگے راستے پاؤگے۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اقتدا احکام الٰہی کی طلب وجستجو میں ان کے طریقے پر چلنے میں پوشیدہ ہے، نہ ان کی تقلید کرنے میں۔ اور ان کا طریقہ رائے واجتہاد پر عمل کرنا تھا اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد: ''میرے بعد آنے والوں کی پیروی کرو اور میرے خلفاءؓ کے طریقے پر چلتے رہو'' کا مطلب تھا کہ جن باتوں میں حکم صریح نہ پاؤ، ان میں ان کے طریقۂ اجتہاد ورائے پر گامزن رہو۔(۱۷)

بعض مجتہد اکابر واصاغر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بکثرت فتووں کے اسباب

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے (فتوے اور) روایتیں کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ تابعینؒ کے فائدہ اٹھانے سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہؓ میں سے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بکثرت (فتوے اور) روایتیں مروی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''حجة الله البالغة''میں رقمطراز ہیں:

''فصارت قضاياه وفتاواه متبعة في مشارق الأرض ومغاربها ''۔(۱۸)

''چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں اور فتووں کی اسلامی قلمرو کے مشرق ومغرب میں ہر طرف پیروی کی جاتی تھی۔''

یہ بھی تقلید تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زیادہ زمانہ پایا، انہوں نے حکمرانی کی، ان سے سوالات کیے گئے، انہوں نے لوگوں کے فیصلے چکائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے امام تھے جن کی اقتدا اور پیروی کی جاتی تھی اور یہ جو افعال واعمال کرتے تھے ان کو نظر میں رکھا جاتا تھا، ان کی طرف توجہ دی جاتی تھی، ان سے فتوے پوچھے جاتے، وہ ان کا جواب دیتے تھے، انہوں نے حدیثیں سنی تھیں اور وہ حدیثیں سناتے تھے، یہ اکابر صحابہؓ میں سے تھے، ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابوبکرؓ (۵۱ق ھ-۱۳ھ/۵۷۳-۶۳۴ء) حضرت عثمانؓ (۴۷ق ھ-۳۶ھ/۵۷۷-۶۵۶ء) حضرت طلحہؓ (۲۸ق ھ-۳۶ھ/ ۵۹۶-۶۵۶ء) حضرت زبیرؓ (۲۸ق ھ-۳۶ھ/۵۹۴ء-۶۵۶ء) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۲۳ق ھ-۵۵ھ/۶۰۰-۶۷۵ء) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۴۴ق ھ-۳۲ھ/۵۸۰-۶۵۲ء) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح عامر بن عبداللہؓ (۴۰ق ھ-۱۸ھ/۵۸۴-۶۳۹ء)

www.banuri.edu.pk

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ (۲۲ق ھ-۵۱ھ/۶۰۰-۶۷۱ء) حضرت ابی بن کعبؓ (۰۰۰-۲۱ھ/۰۰۰-۶۴۲ء) سعد بن عبادہؓ (۰۰۰-۱۴ھ/ ۰۰۰- ۶۳۵ء) عبادہ بن الصامتؓ (۳۸ق ھ-۳۴ھ/۵۸۶-۶۵۴ء) اسید بن حضیرؓ (۰۰۰-۲۰ھ/۰۰۰-۶۴۱ء) معاذ بن جبلؓ (۲۰ق ھ-۱۸ھ/۶۰۳-۶۳۹ء) اور انہی جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں منقول ہیں۔ ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کثرت سے روایتیں منقول نہیں جس کثرت سے کم عمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، جیسے حضرت جابر بن عبد اللہؓ (۱۶ق ھ - ۷۵ھ/ ۶۰۷-۶۹۷ء) ابو سعید خدریؓ (۱۰ق ھ - ۷۴ھ/ ۶۱۳ - ۶۹۳ء) ابو ہریرہؓ عبد الرحمٰن بن صخرؓ (۲۱ق ھ-۵۹ھ/۶۰۲-۶۷۹ء) عبد اللہ بن عمر بن الخطابؓ (۱۰ق ھ-۷۳ھ/۶۱۳-۶۹۲ء) عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ (۷ق ھ-۶۵ھ/ ۶۱۶-۶۸۴ء) عبد اللہ بن عباسؓ (۳ق ھ-۶۸ھ/ ۶۱۹-۶۸۷ء) رافع بن خدیجؓ (۱۲ق ھ-۷۴ھ/ ۶۱۱-۶۹۳ء) انس بن مالکؓ (۱۰ق ھ-۹۳ھ/ ۶۱۲-۷۱۲ء) براء بن عازبؓ (۰۰۰-۷۱ھ/ ۰۰۰-۶۹۰ء)۔

اور انہی جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، ان مذکورہ بالا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا شمار فقہاء صحابہؓ میں کیا جاتا ہے، یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔

اور ان سے کم عمر صحابہؓ جیسے حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ (۰۰۰-۵۸ھ/ ۰۰۰-۶۷۸ء) زید بن خالد جہنیؓ (۰۰۰-۷۸ھ/ ۰۰۰-۶۹۷ء) عمران بن الحصینؓ (۰۰۰-۵۲ھ/ ۰۰۰-۶۷۲ء) نعمان بن بشیرؓ (۲ق ھ-۶۵ھ/۶۲۳-۶۸۴ء) معاویہ بن ابی سفیانؓ (۲۰ق ھ-۶۰ھ/۶۰۳-۶۸۰ء) سہل بن سعد مساعدیؓ (۰۰۰ - ۹۱ھ/ ۰۰۰- ۷۱۰ء) عبد اللہ بن یزیدی الخطمیؓ (۰۰۰ - تقریباً ۷۰ھ/ ۰۰۰-۶۹۰ء) مسلمہ بن مخلد الزرقیؓ (۱ق ھ-۶۲ھ/ ۶۲۲-۶۸۲ء) ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ (۰۰۰-تقریباً ۶۳ھ/ ۰۰۰-۶۸۳ء) ہند بن ارثہ اسلمیؓ (۰۰۰-تقریباً ۵۰ھ/ ۰۰۰-تقریباً ۶۷۰ء) اسماء بن حارثہ اسلمیؓ (۱۴ق ھ-۶۶ھ/ ۶۰۶- ۶۸۶ء) یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے اور ساتھ رہتے تھے، چنانچہ ان سے زیادہ روایتیں منقول ہیں اور ان دونوں میں اور انہی جیسے صحابہؓ میں علم زیادہ رہا، اس لیے کہ یہ زیادہ مدت تک زندہ رہے اور ان کی عمریں بھی لمبی ہوئیں اور تابعین کو ان کے علم سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اور بیشتر بڑے صحابہؓ ان سے پہلے وفات پا گئے اور ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم نہیں پھیلا، اس لیے بھی کہ اس وقت انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد موجود تھی۔ (۱۹)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد میں مرتبہ ومقام

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے بلند ترین فقیہ تھے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مجتہد اعظم وخلیفہ راشد سے فقہی مسائل میں سو سے زیادہ مسئلوں میں اختلاف رکھتے تھے، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''أما اختلافهما فلو تقصى يبلغ أزيد من مائة مسئلة''۔ (۲۰)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مابین اختلافی مسائل کو اگر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سو سے بھی زیادہ نکلے گی۔‘‘

فقہ وبصیرت کا گھاٹ

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بسندِ متصل حضرت مسروق کوفی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا ہے:

’’لقد جالست أصحابَ محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم فوجدتهم کالاخاذ، فالاخاذ یُروی الرجل والاخاذ یُروی الرجلین و الاخاذ یُروی العشرة والاخاذ یُروی المائة والاخاذ لونزل به أهل الأرض لأصدرهم، فوجدت عبدَاللّٰہ بن مسعودؓ من ذٰلک الاخاذ‘‘۔ (۲۱)

’’مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہم نشینی کی سعادت حاصل رہی ہے، چنانچہ میں نے انہیں گڑھوں (تالاب) کی طرح پایا (کوئی کم علم والا، کوئی زیادہ علم والا) کوئی ایک آدمی کو سیراب کرتا، کوئی دو کو سیراب کرتا، کوئی دس کو اور کوئی سو دو سو کو سیراب کرتا۔ ان میں ایسا بھی تالاب تھا کہ اگر اس سرزمین والے سب ہی آتے تو وہ سب کو سیراب کر کے لوٹاتا تو میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو (فقہی بصیرت میں) ایسا ہی تالاب پایا۔‘‘

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۹۴ھ ’’البحر المحیط‘‘ میں رقمطراز ہیں:

’’وأمّا ابن مسعودؓ کان فقیهَ الصحابةؓ منتدبًا بالفتویٰ وکذٰلک ابن عباسؓ و زیدبن ثابتؓ ممن شهد له الرسولﷺ بأنه أفرض الأئمة رضی اللّٰہ عنهم –المعتبر تصدیة لهذا المعنی من غیرنکیر– ولاشک فی کون العشرة من أهل الاجتهاد وکذلک من انتشرت فتاویٰ کابن مسعودؓ وعائشةؓ وغیرهم کثرت فتاواهم غیرأن الذی اشتهر منهم الفتاویٰ والأحکام جماعة مخصوصة‘‘۔ (۲۲)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فتوے سے وابستگی رہی ہے، اس لیے وہ مفتی اور فقیہ صحابیؓ کے لقب سے مشہور تھے، یہی حال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسائل میراث کے سب سے بڑے عالم ہونے کی شہادت دی ہے اور وہ یہ خدمت برابر سرانجام دیتے رہے، اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں، اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مجتہدین ہونے میں بھی شک وشبہ نہیں ہے، اور ایسے صحابہؓ جن کے فتوے شائع ہیں، جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن کے فتوے کثیر تعداد میں موجود ہیں، وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو احکام (حلال وحرام) سے متعلق مسائل میں شہرت رکھتے ہیں، وہ ایک مخصوص اور محدود جماعت ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایتی معیار

اہل علم میں سے کسی کو اس بات میں شک نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ و درایت اور اتقان و احتیاط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری وقربت کا جو مرتبہ ومقام حاصل تھا، وہ کم ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوگا، چنانچہ امام عمرو بن میمون یمانی ثم کوفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴/ ۷۵ ھ کا بیان ہے:

''مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہمنشینی کی برسوں سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے انہیں حدیثیں بیان کرتے ہوئے نہیں سنا۔ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سنائی تو احتیاط کا یہ عالم تھا کہ انہیں سہو کا اندیشہ وخطرہ ہوا اور خوف طاری ہوگیا، پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سے فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب بات کہی تھی یا اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ علم میں ان کا یہ مقام تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے وقت گھبراہٹ طاری ہوجاتی تھی، بیانِ روایت میں احتیاط کا یہ حال تھا۔''(۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بلند معیار کا اندازہ مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴۸ ھ کے بیان سے کیا جاسکتا ہے، وہ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں رقمطراز ہیں:

''أبو عبدالرحمٰن عبداللّٰه ابن أم عبدالهذلی صاحب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم وخادمه وأحدالسابقین الأولین ومن کبارالبدریین، ومن نبلاء الفقهاء والمقرئین کان ممن یتحری فی الأداء ویتشدد فی الروایة ویزجر تلامذته عن التهاون فی ضبط الألفاظ''۔(۲۴)

''حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن ام عبد ہذلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں، ان کے خادم ہیں، سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں، بڑے بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، نہایت بلند پایہ فقہا اور قاریوں میں سے ہیں، ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو بیانِ روایت میں متشدد، بہت سخت اور بہت محتاط تھے، وہ اپنے شاگردوں کو الفاظِ حدیث کے ضبط میں سستی اور بے احتیاطی پر سختی سے روک ٹوک کرتے تھے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایتی معیار کتنا سخت اور بلند تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجتہدین کو ہدایت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم پر ایسا زمانہ بھی گزرا کہ ہم فیصلہ نہیں کرتے تھے، فتویٰ نہیں دیتے تھے، کیونکہ اس وقت ایسے مسائل (اجتہادیہ) پیش نہیں آتے تھے، پس اگر کسی کو حکم بتانا ہو تو کتاب سے بتائے، اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بتائے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

سنت میں بھی نہ ہوتو پھر اپنی رائے سے حکم بتائے اور فیصلہ صادر کرے۔ (۲۵)

لہٰذا اگر نئے مسائل میں اجتہاد سے کام لینے کا پہلے سے رواج نہ ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجتہدین کو اپنی اجتہادی رائے اور فقہی بصیرت سے مسئلے کا حکم پیش کرنے کی ہدایت نہ فرماتے، اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امر پر ان کی نکیر کرتے۔ یہ بات (ان پر نکیر نہ کرنا) اس امر کی شاہد ہے کہ ان کے یہاں اجتہادی رائے پر عمل کا معمول اور دستور تھا۔ (۲۶) اسی لیے جس میں اجتہاد کی اہلیت و صلاحیت نہ ہو، اس کو اجتہاد کی ہرگز اجازت نہیں۔ (۲۷)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب وفتووں کی تشکیل وتدوین

علامہ ابن القیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۵۱ھ نے ''اعلام الموقعین'' میں امام محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کا بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''لم یکن أحد لہ أصحاب معروفون، حرروا فتیاہ و مذھبہ غیر ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ''۔ (۲۸)

''کوئی مجتہد صحابی ایسا نہ تھا سوائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جس کے مشہور ومعروف شاگرد اس کے فتووں اور اس کے مذہب کو قید تحریر میں لائے ہوں۔''

سب سے پہلے تشکیل وتدوین مذہب اور فتووں کی جمع وترتیب کی سعادت صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو حاصل ہے اور وہ بھی مرکز علم کوفہ میں۔

حواشی وحوالہ جات

۱:...... کتاب العلل ومعرفۃ الرجال، استنبول، المکتبۃ الاسلامیۃ، ۱۹۸۷ء، ج:۱، ص:۱۹۷۔ الطبقات الکبریٰ، ج:۲، ص:۳۵۱، تاریخ الثقات للعجلی، ص:۲۷۸ (ترجمہ:۸۸۶، عبداللہ بن مسعودؓ) سیر اعلام النبلاء، ج:۲، ص:۳۸۸، ترجمہ ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔

۲:...... عہد صحابہؓ: جمہو مؤرخین کے نزدیک دور صحابہؓ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ختم ہوتا ہے، چنانچہ امام ابواسحاق الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۷۶ھ ''طبقات الفقہاء'' (بغداد، ۱۳۵۶ھ، ص:۲۲-۲۳) میں رقمطراز ہیں: ''وانقراض عصر الصحابۃ رضی اللہ عنہم مابین تسعین إلیٰ مائۃ'' (صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ نوے سے سو کے مابین ختم ہوگیا) پہلی صدی ہجری کے خاتمے سے پہلے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر آخرت اختیار کیا، اس کی تفصیل مؤرخ واقدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۰۷ھ نے یوں پیش کی ہے: ۱:- کوفے میں آخری صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ (۸۶ھ/ ۷۰۵ء) میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ۲:- مدینے میں آخری صحابی سہل بن سعد ساعدیؓ (۹۱ھ/ ۷۱۰ء) سو برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ۳:- بصرے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے (۱۰ق ھ-۹۱ھ/ ۶۱۲-۷۱۰ء) نے اور بعض کا قول ہے ۹۳ھ میں انتقال کیا۔ ۴:- شام میں حضرت عبداللہ بن جریر رضی اللہ عنہ نے (۸۸ھ/ ۷۶۲ء) میں وفات پائی۔ ۵:- (مکہ میں) حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ نے (۲ھ-۱۰۰ھ/ ۶۲۵-۷۱۸ء) میں وفات پائی۔ مؤرخ اسلام علامہ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلی صدی ہجری کی وفیات کے ذیل میں کیا ہے، لیکن لکھا ہے: ''قال وھب بن جریر سمعت أبی یقول: کنت بمکۃ سنۃ عشر و مائۃ، فرأیت جنازۃ فسألت عنھا، فقالوا: ھذا أبو الطفیل. قلت: ھذا ھو الصحیح بثبوت إسنادہ و ھو مطابق لماقیلہ''۔ (تاریخ الاسلام، ص:۵۲۸، حوادث ووفیات ۸۰-۱۰۰ھ) وہب ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: میں نے اپنے باپ سے سنا کہتے تھے کہ: میں ۱۱۰ھ میں مکہ میں تھا، میں نے ایک جنازہ دیکھا اور اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے، میں (الذہبی) کہتا ہوں: یہ قول صحیح ہے، اس کی سند درست اور سابقہ بیان کے مطابق ہے۔

۳:......أصول الجصاص، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ، ج:۲،ص:۳۷۳۔ ۴:......طبقات الفقہاء للشیرازی،ص:۱۲۔
۵:......الطبقات الکبریٰ، بیروت، دارصادر، ۱۴۰۵ھ، ج:۲،ص:۳۳۴۔سیر أعلام النبلاء، ج:۲،ص:۴۲۳۔
۶:......الجامع، ج:۲،ص:۲۸۹۔ ۷:......مقدمۃ ابن الصلاح،ص:۱۴۴۔سیر أعلام النبلاء، ج:۲،ص:۴۳۸۔
۸:......المستدرک علی الصحیحین ومعہ تلخیص الذہبی وکتاب الدرک لتخریج المستدرک لابن حجر، بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۵۸ء، ج:۱،ص:۲۸۶۔
۹:......أحکام القرآن للجصاص، مصر، ۱۳۴۷ھ، ج:۲،ص:۵۹۰-۵۹۱۔
۱۰:......سنن أبي داؤد، کتاب العلم، کراچی میرمحمد کتب خانہ، ج:۲،ص:۵۱۵۔سنن ترمذی، ابواب العلم، کراچی ایچ ایم سعید کمپنی، ج:۲،ص:۹۰۔
۱۱:......الجمعۃ:۵۔ ۱۲:......المائدۃ:۱۰۱-۱۰۲۔ ۱۳:......ایضاً۔ ۱۴:......البقرۃ:۱۸۷۔
۱۵:......سنن ابي داؤد، کتاب الزکوۃ، باب في زکوۃ السائمۃ، کراچی میرمحمد کتاب خانہ(۱/۲۲۳)۔سنن الترمذی، ابواب الزکوۃ، کراچی ایچ ایم سعید(۱/۱۳۴)
۱۶:......أحکام القرآن للجصاصؒ، مصر، ۱۳۴۷ھ، ج:۲،ص:۵۹۰-۵۹۱۔ ۱۷:......أصول الجصاص، ج:۲،ص:۳۸۶-۳۸۷۔
۱۸:......حجۃ اللہ البالغۃ، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ج:۱،ص:۲۸۱۔ ۱۹:......الطبقات الکبریٰ، ج:۲،ص:۳۷۶۔
۲۰:......الاحکام في اصول الاحکام، ج:۶،ص:۶۱۔ ۲۱:......طبقات، ج:۲،ص:۳۴۳۔
۲۲:......البحر المحیط، ج:۶،ص:۲۱۱-۲۱۲۔ ۲۳:......أصول الجصاص، ج:۲،ص:۲۲۔
۲۴:......تذکرۃ الحفاظ، طبع:۱۹۵۵ء، ج:۱،ص:۱۳-۱۴۔ ۲۵:......أصول الفقہ للجصاص، ج:۲،ص:۲۳۱۔
۲۶:......ایضاً، ج:۲،ص:۲۳۱۔ ۲۷:......ایضاً، ج:۲،ص:۲۳۶۔
۲۸:......إعلام الموقعین عن کلام رب العالمین، بیروت، دارالجیل، ج:۱،ص:۲۰۔

(جاری ہے)

www.banuri.edu.pk

زندہ اسلام اور مردہ عیسائیت

مولانا فضل محمد یوسف زئی

قال اللّٰہ جل جلالہ وعم نوالہ: ''إِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْإِسْلَامُ ''۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ''ومحمد فرق بین الناس الخ''۔ (مشکوٰۃ شریف)

زمانہ قدیم میں عیسائیت کی قیادت ''کلیسا'' کے ہاتھ میں تھی جو عیسائی پوپوں کی مذہبی حکومت ہوتی تھی، پھر قیادت پر اسٹیٹ یعنی گورنمنٹ اور کلیسا کے درمیان لمبا جھگڑا ہوگیا۔ کلیسا کی مذہبی قیادت میں چونکہ پادریوں اور پوپوں کے پاس جدید معاشرہ کے مسائل کا حل نہیں تھا، اس لیے اس جنگ میں اسٹیٹ نے کلیسا کو شکست دے دی اور کلیسا اسٹیٹ سے باہر ہوگیا، اس طرح عیسائی اسٹیٹ مذہب سے بالکل الگ ہوکر رہ گئی اور کلیسا اپنے پادریوں اور پوپوں کے ساتھ الگ ہوکر بیٹھ گیا۔ پھر دونوں کے مابین یہ طے ہوا کہ کلیسا کا مذہب اسٹیٹ کے امور میں مداخلت نہیں کرے گا اور اسٹیٹ کلیسا کو ایک محدود مقام پر رکھ کر الگ تھلگ رکھے گی۔ چنانچہ روما سلطنت اٹلی میں ویٹی کن کا ایک علاقہ عیسائی پادریوں اور پوپوں کے حوالہ کردیا گیا جو چند کلومیٹر پر مشتمل ہے اور جس پر پوپوں کی حکومت ہے اور یہ ان کا ایسا ہی مرکزی اور مذہبی مقام ہے، جیسا کہ مسلمانوں کے پاس مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہے۔ عیسائی ممالک پوپوں کی اس محدود قیادت کا مالی تعاون کرتے ہیں اور بجٹ میں کلیسا کا حصہ مقرر کرتے ہیں۔

اس تاریخی پس منظر کے بیان سے میرا مقصد یہ ہے کہ دنیا دیکھے اور انصاف سے فیصلہ کرلے کہ ویٹی کن آباد ہے یا مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ آباد ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ ویٹی کن ہر لحاظ سے ویران ہے اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ ہر لحاظ سے آباد ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام زندہ وتابندہ مذہب ہے اور عیسائیت بے روح میت اور مردہ حقیقت ہے۔ چنانچہ بطور دلیل میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے پرنسپل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم کا چشم دید واقعہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں دیگر علما کی موجودگی میں پوچھا کہ آپ

نے اٹلی کا سفر کیا ہے اور ویٹی کن کا مشاہدہ بھی کیا ہے، آپ نے وہاں کیا دیکھا ؟ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنا مشاہدہ یوں بیان کیا کہ:

روما سلطنت اٹلی میں ویٹی کن ایک شہر ہے جو عیسائی پوپوں کا مرکز ہے، یہ جگہ عیسائی مذہب کا مرکزی مقام ہے۔ وہاں کا پوپ پوری دنیا کی عیسائیت کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا سمجھا جاتا ہے۔ ایک پوپ کے مرنے کے بعد دوسرا پوپ اس عہدے پر فائز ہوجاتا ہے۔ ویٹی کن ایک چھوٹا سا شہر ہے، اس کے اندر قلعہ نما ایک مقام ہے جو چہار دیواری کے اندر ہے، اونچی اونچی دیواریں ہیں اور لمبی لمبی گیلریاں ہیں، ایک طرف سے اس کا بڑا گیٹ ہے، اس میں ہر جانے والے سے گیارہ یا تیرہ ڈالر بطور ٹکٹ لیا جاتا ہے۔ اندر جاکر گیلریاں بنی ہوئی ہیں، ان گیلریوں اور برآمدوں میں حضرت عیسیٰ طغریٰ اور حضرت مریم طغریٰ کی تصاویر رکھی ہوئی ہیں، لوگ اس پر گزرتے ہیں اور اسے دیکھ کر چلے جاتے ہیں۔ ان سے گزر کر آگے عیسائیوں کے قدیم زمانے کی جنگوں کے نقشے رکھے ہوئے ہیں، اس سے گزر کر اگلے گیٹ سے لوگ نکل جاتے ہیں۔ بس یہی ویٹی کن ہے، نہ وہاں کوئی عبادت ہے، نہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے، نہ کوئی گرجا ہے۔ ممکن ہے کہیں گرجا ہو، لیکن ہم نے نہیں دیکھا۔ ہمارا خیال تھا کہ ویٹی کن کوئی بڑا علاقہ ہوگا، اس میں عبادت خانہ ہوگا، وہاں لوگ عبادت کرتے ہوں گے، لیکن دیکھنے کے بعد ہم نے اس کو اپنے خیال کے بالکل برعکس پایا۔ گویا یہ کہاوت صادق آرہی تھی کہ ''کھودا پہاڑ نکلا چوہا، وہ بھی مرا ہوا'' ہمیں وہاں پر نہ کوئی عبادت خانہ نظر آیا، نہ کوئی عبادت ہوتی ہوئی نظر آئی، ایک خالی ویران علاقہ نظر آیا جس میں ہر طرف وحشت اور نحوست محسوس ہورہی تھی۔ عیسائی لوگ دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں اور مسلمانوں کے حج اور عمرہ کے مناظر دیکھنے دکھانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

یہ ہیں ڈاکٹر صاحب کے وہ کلمات جو ویٹی کن کے مشاہدہ کے تأثر میں آپ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اس مضمون کے لکھنے اور دینِ مسیحی اور دینِ اسلام کے تقابل کا سبب یہ بنا کہ میں نے جب اس سال ۱۹؍رمضان ۱۴۳۵ھ میں مدینہ منورہ سے احرام باندھا اور عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا تو رمضان کا آخری عشرہ شروع ہونے والا تھا، صفا مروہ پہنچ کر سعی کرنے لگا تو لوگوں کے ازدحام میں پھنس گیا، اس وقت میرے ذہن میں ویٹی کن کا خیال آیا اور زبان پر بے اختیار یہ جملے جاری ہوگئے: اے خالی خولی ویران ویٹی کن ! تیرے پاس رکھا کیا ہے؟ دیکھو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا سمندر لوگوں سے کس طرح ٹھاٹھیں ماررہا ہے؟ بے شک ان میں بے شمار گناہ گار ہوں گے، لیکن ان کے دلوں میں محمدیت کا ایسا جذبہ ہے کہ اگر ان کو کوئی کہہ دے کہ توحید اور اسلام کا کلمہ طیبہ چھوڑ دو تو وہ مرنے مارنے پر اتر جاتے ہیں۔ موسم حج کے ولولہ انگیز عظیم مناظر تو اپنی جگہ ایک بحر زخار ہے جو ناپید کنار ہے، لیکن رمضان میں عمرہ کے لیے فرزندان توحید کا جو امنڈتا ہوا سیلاب نظر آتا ہے، اس کا بیان نوک قلم میں لاکر قلمبند کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ کئی مربع میل حرم مکہ اور حرم مدینہ میں وہ کونسی جگہ ہے جہاں

انسانوں کا سمندر موجزن نہ ہو؟ حرم میں اندر کے وسیع ہال ہوں یا کھلا مطاف ہو یا صفا مروہ ہوں یا باہر کے وسیع میدان ہوں، وسیع سڑکیں ہوں یا کھلے بازار ہوں یا فلک بوس ہوٹل ہوں، مکہ ہو یا مدینہ ہو، کسی جگہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ملتی ہے۔ اگر ویران ویٹی کن اس عظیم مجمع کا نظارہ کرے تو اپنے خالی دامن کو دیکھ کر شرم سے اس کا سر جھک جائے گا اور اقرار کرلے گا کہ:

چراغِ مردہ کجا نور آفتاب کجا
بیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

دنیا کا کونسا ملک ہے اور اقوام عالم کی کونسی قوم ہے اور دنیا کا کونسا خطہ ہے جس کے مسلمانوں کا جم غفیر یہاں ''لبیک أللّٰھم لبیک'' کا نعرہ بلند نہ کرتا ہو؟

مختلف النوع اور مختلف طبائع کے انسانوں کا یہ عظیم مجمع اس طرح پرسکون اور امن و امان سے رہتا ہے جس کی نظیر دنیا پیش نہیں کرسکتی ہے۔ اگر کسی اور مقام پر اس جم غفیر کا عشر عشیر بھی اکٹھا ہو جائے تو ہر روز سینکڑوں جھگڑے ہوں گے، لیکن یہاں انسانوں کا آپس میں محبت والفت اور تعاون قابل دید ہوتا ہے، ہر شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ یہاں آئے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کی کوئی خدمت کرے۔ روزہ کے افطار کے وقت مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے دروازوں پر چھوٹے چھوٹے بچے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور ہر آنے والے کا دامن پکڑ پکڑ کر بڑے پیار سے اپنے دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں کہ آیئے! ہمارے ساتھ افطار کیجئے! جب کہنے والا کہتا ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے پاس جاتا ہوں تو یہ بچے کہتے ہیں کہ کیا ہم آپ کے ساتھی نہیں ہیں؟ پھر دسترخوان پر مدینہ منورہ میں وہ نعمتیں جمع ہوتی ہیں جن کا شمار کرنا مشکل ہوتا ہے، رات بھر ان نعمتوں سے لاکھوں انسان فائدہ اٹھاتے ہیں، پھر سحری کے وقت راستوں میں اللہ تعالیٰ کے بندے کھڑے ہوتے ہیں اور سحری کرنے والوں تک سحری پہنچاتے ہیں، کیا محبت وایثار اور ہمدردی کا یہ منظر ویٹی کن پیش کرسکتا ہے؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں! کیونکہ ایک طرف زندہ حقیقت ہے اور دوسری طرف بے جان میت ہے۔

مسلمانوں کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے ان مختلف انسانوں میں ایسے ایسے خوبصورت انسان بھی ہوتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر دل خوش ہوجاتا ہے اور زبان پر یہ کلمات آتے ہیں کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایسے ایسے خوبصورت انسان بھی داخل ہیں، بعض بچے جب مکہ ومدینہ کے حرم میں دوڑتے نظر آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ فرش پر چمکدار موتی بکھرے ہوئے ہیں، بعض چھوٹے بچے جب احرام لگائے ہوئے نظر آتے ہیں تو بے اختیار جسم جھوم کر زبان پر یہ جملہ آتا ہے کہ مولا! تیرا شکر ہے، تیرا دین زندہ ہے، تیرے نبی کا معجزہ زندہ ہے۔ مخلوق خدا کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں عبادات کے ایسے روح پرور مناظر ہیں کہ اگر غیر مسلم اقوام اس

کو دیکھ لیں تو اسلام قبول کرلیں گے، اسی لیے امریکہ وغیرہ غیر مسلم ممالک میں حج وعمرہ اور حرمین شریفین کے مناظر دیکھنے دکھانے پر پابندی ہے۔ کیا اس طرح روح پرور مناظر کا نقشہ ویٹی کن دکھا سکتا ہے؟ نہیں، نہیں! ہرگز نہیں۔ ہاں! البتہ ایسے مناظر کو وہ دھوکہ دے کر چھپا سکتا ہے۔

عیسائیوں کے بعض دھوکہ باز ادارے دنیا کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اسلام کو کسی شریف طبقہ نے قبول نہیں کیا ہے، بلکہ چند سیاہ فام صحرائی اور جنگلی جاہلوں نے قبول کیا ہے۔ میں کہتا ہوں ویٹی کن جھوٹ بولتا ہے، وہ ذرا حج وعمرہ کے مناظر کو دیکھیں تو ان کو شریف مسلمانوں اور اعلیٰ خاندانوں اور عظیم سرداروں کی بھری ہوئی دنیا نظر آجائے گی اور اگر قدیم تاریخ کو کھول دیں تو ان کو فرشتوں کی صورت میں دحیہ کلبیؓ جیسے انسان نظر آجائیں گے اور بجلی کی طرح جریر بن عبداللہ بجلیؓ کا چمکتا ہوا چہرہ نظر آجائے گا اور اگر دنیا کی قیادتوں کو دیکھا جائے تو مسلمانوں نے چودہ سو سال سے مسیحی اقوام کو انسانیت وسیادت اور سیاست ولیاقت سکھائی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ رفعتوں اور بے شمار ترقیوں اور کامیابیوں سے نوازکر اعلان فرمایا: ’’وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ إِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَاقَلٰی وَلَلْآخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْأُوْلٰی وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی‘‘۔

یہ رفعتیں اور عظمتیں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی عطا کیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں کے حکمرانوں نے اپنا راستہ چھوڑ دیا اور ویٹی کن کا راستہ اپنا لیا تو خوار ہوگئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ویٹی کن کے پاس نہ کتاب ہے، نہ سنت ہے، نہ نماز ہے، نہ زکوٰۃ ہے، نہ روزہ ہے، نہ حج وعمرہ ہے، نہ مرکز ہے، نہ اجتماعیت ہے، نہ محبت ہے، نہ عبادت ہے اور نہ شرافت ہے، بلکہ ویٹی کن کے پوپ اور مسیحی دنیا کے پادری سب سے زیادہ بے راہ روی کے شکار ہیں۔ اپنے مقدس مقام ویٹی کن میں بیٹھ کر اغلام بازی اور جنسی تعلقات میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ بی بی سی اور دیگر بین الاقوامی نشریاتی ادارے ان کی شرمناک حرکتوں پر چیخ اٹھے ہیں، یہاں تک کہ ویٹی کن کے بڑے پوپ بینڈک نے مجبوراً شرم کے مارے استعفیٰ دے دیا ہے، کہاں یہ بے حیائی اور کہاں حرمین شریفین میں وہ شرافت کہ مرد اور عورتیں ایک ساتھ رہ کر ایک دوسرے کو ماں بہن اور باپ بیٹا تصور کرتے ہیں۔ مرد کو خیال نہیں آتا ہے کہ وہ خود مرد ہے اور سامنے عورت ہے، نہ عورت کو یہ خیال آتا ہے کہ وہ خود عورت ہے اور سامنے مرد ہے، کہاں یہ زندہ حقیقت؟ اور کہاں مردہ مسیحیت:

چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا
بیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

بے ساختہ زبان سے دعا نکلتی ہے: ’’اللّٰھم اغفر لامة محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم ارحم أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم تجاوز عن أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم آمین یارب العالمین وصلی اللّٰہ علی نبیه الکریم۔

العدل جل جلاله

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف کھوکھر

''**العدل**'' اللہ رب العزت کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے، جس کا معنی ''انصاف کرنے والا'' ہے، ایسا عادل جو وہی کام کرتا ہے جو کرنا چاہیے۔ عدل کے دوسرے معنی ''برابر تقسیم کردینے'' کے بھی ہیں۔ ''عدل'' کا مطلب جزا وبدلہ دینے میں برابری کرنا، اچھے کام پر جزائے خیر (اچھا بدلہ) دینا اور برے کام پر گرفت کرنا ہے۔ دو متحارب گروہوں، جماعتوں یا افراد کے مابین حقوق برابر تقسیم کردینا بھی عدل کہلاتا ہے اور اس طرح کا فیصلہ کرنے والے کو عادل کہا جاتا ہے۔ عادل حقیقی ''**العدل جل جلاله**''یعنی اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔

یہ دنیا اور اس کی رنگینی اللہ رب العزت کے عدل وانصاف پر شاہد عدل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خلیفۂ ارضی ''انسان'' کو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے جو کہ تقویٰ کے قریب ہے۔

یہ عدل وانصاف ہوگا کہ ایک انسان دریا میں ڈوبتے ہوئے انسان کو اپنی خداداد صلاحیت وطاقت سے دریا سے باہر نکال کر اس کی زندگی بچانے کی پوری پوری کوشش کرے اور ''ظلم'' جو کہ عدل کی ضد ہے، یہ ہے کہ کسی انسان کو اسلحہ کے زور پر رات کی تاریکی میں برلبِ دریا ہاتھ پاؤں باندھ لے اور اسے دریا میں دھکا دے کر جان سے مار ڈالے یا ڈرا کر اس کے زادِ راہ اور مال ومتاع کو زبردستی چھین لے۔ اس پوری کارروائی میں ملوث ڈاکو، ڈاکو کا مشیر اور ڈاکو کی کسی بھی طرح مدد کرنے والا، جاگیردار، چوہدری یا وڈیرا سب ظالم ہوں گے۔ کسی بھی ظالم کا ساتھ دینا عدل وانصاف کے منافی ہے۔

اللہ رب العزت حقیقی عادل ہے۔ قرآن وسنت میں عدل واحسان کی تاکید کی گئی ہے۔ ''**العدل جلا جلاله**'' کے نظامِ عدل کا نفاذ انسانی معاشرے میں امن وعافیت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ رسول آخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین المہدیین رضی اللہ عنہم نے عدل وانصاف کے عمدہ اور قابل تقلید مثالی نمونے پیش فرمائے، جو تمام بنی نوعِ انسان کے لیے مشعل راہ ہیں۔ نظام عالم کے انتظام وانصرام میں عدل وانصاف کو فروغ دینا انسانی معاشرے میں استحکامِ امن کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

دہشت گردی، چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری کے مستقل اور پائیدار سدِ باب ہی سے حقیقی امن وسکون میسر آسکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرے میں امن وعافیت اور نظم ونسق قائم رکھنے کے لیے اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے نہ صرف آسمانی کتب وصحیفے نازل کرکے رہنمائی فرمائی، بلکہ ''**العدل جل جلالہ**'' نے عدل وانصاف کے قیام، معاشرے میں امن وعافیت اور نظم ونسق کی فضا طاری کرنے کے لیے پیغمبرانِ حق علیہم السلام کو مختلف ادوار میں مختلف اقوام کی جانب ضابطۂ قانون وانصاف کے ساتھ عمدہ عملی نمونے بنا کر مبعوث فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو دنیا کے بڑے قانون ساز تھے، آسمانی احکام لے کر آئے، جن کی رو سے قتل وغارت گری اور بدکاری کو ممنوع قرار دیا گیا۔ ان کے بعد دوسرے پیغمبرانِ حق ''**العدل جل جلالہ**'' کے نظام کو لے کر تبلیغ حق کے لیے اور مخلوقِ خدا کو راہِ ہدیٰ، صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے، قیادت وسیادت کے لیے تشریف لاتے رہے، یہاں تک کہ دین اسلام کی تکمیل کے لیے تمام بنی نوع انسان کی جانب اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قوانین واخلاق، عدل واحسان کا عمدہ نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ رسول آخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کے عمدہ نمونے پیش فرمائے، جو پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔

آج بھی مہذب دنیا میں امن کے استحکام، نظم ونسق اور نظام عالم کے انتظام وانصرام میں عدل وانصاف کی ضمانت جبھی مل سکتی ہے، جب رسول آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام عدل کو، نظام عدل کو دنیا میں رائج کردیا جائے۔ عدل وانصاف واحسان کے قیام کے مثبت اثرات وثمرات سے انسان اس وقت بہرہ مند ہوسکتے ہیں، جب نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عدل وانصاف پر مبنی دینی نظام، اسلام کے نظام کا عملی نفاذ کیا جائے۔ اگر دنیا سے بالفرض عدل وانصاف ختم ہوجائے تو نظام عالم درہم برہم ہوجائے اور یہ بے اعتدالی دنیا کو جہنم کا نمونہ بنادے، لیکن ''**العدل جل جلالہ**'' نے کمالِ رحمت سے نظام عالم برقرار رکھا ہوا ہے۔

انفرادی عدل یہ ہے کہ انسان اپنے جسم وجان کے حقوق کو ادا کرے، اپنی جان کو بے محل ہلاکت میں نہ ڈالے، اجتماعی عدل وانصاف یہ ہے کہ اصحابِ اقتدار' امیر وغریب کا فرق ملحوظ رکھے بغیر لوگوں کو عدل وانصاف فراہم کریں۔

ایک ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے، بے قصور لوگوں کو قتل کرکے ناحق مال ومتاع لوٹ لیتا ہے، ایک چور چوری کرکے کسی گھر کے اثاثہ کو لے کر چلا جاتا ہے، جیب کترا سارا دن مزدوری کرنے والے مسافر کی جیب سے مزدوری کا معاوضہ چند منٹ میں لے کر چلا جاتا ہے، ایک راشی افسر رشوت لیے بغیر حقدار کو حق نہیں دیتا، جھوٹے مقدمات کے ذریعے مخلوقِ خدا کو مبتلائے مصائب کردیا جاتا ہے، گاؤں کے چودھری،

وڈیرے، زمیندار سے غرباء ونادار ہاریوں کی عزتیں محفوظ نہیں رہتی ہیں۔ ایک بردہ فروش بچہ کو اغوا کرکے ماں باپ کی شفقتوں کا خون کردیتا ہے، ایک دکاندار غریب ونادار بچے کو لالچ دے کر اس کی قوت واستطاعت سے زیادہ کام لیتا ہے، کیا یہ سب کچھ ظلم وزیادتی نہیں ہے؟ اس ظلم وجور میں لامحالہ ملک کے اصحابِ اقتدار ملوث ہوں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنے کیے کی سزا اس دنیا میں ملے گی، پوری پوری سزا نہ سہی، لیکن ملے گی ضرور! دوسری بات یہ کہ اللہ رب العزت (جو ''**العدل**'' ہے) نے ایک روز جزا مقرر فرمایا ہے، جس دن انسانوں کو ان کے نیک اعمال کا صلہ اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔

اسلام عدل وانصاف کا دین ہے، اسلام نے نہ صرف اپنے جسم وجان کے ساتھ انصاف کرنا سکھایا ہے، بلکہ والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ اور اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور عدل وانصاف کا معاملہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ کئی بچے ہیں تو سب کے ساتھ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور اثاثہ میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے۔ شوہر کی وفات کے بعد بیوہ کو حق وراثت دینا، اولاد میں وراثت کی صحیح تقسیم، بیٹوں، بیٹیوں کو پورا پورا حقِ وراثت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرنا عدل وانصاف ہے۔ عدل کا تقاضا یہ بھی ہے کہ مسافر کے حقوق پورے کیے جائیں، غرباء، یتامیٰ ومساکین کی خبر گیری کی جائے، والدین کے حقوق کی بجاآوری، بھائی برادری، کنبہ وقبیلہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، عدل وانصاف کے تقاضے ہیں، جو کہ ''**العدل جل جلالہ**'' کے رسول آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مکمل دین، دین اسلام نے ہمیں سکھائے ہیں۔ دین اسلام دین عدل وانصاف ہے۔

معاشرے میں عدل وانصاف کے یکساں مواقع جب ہی میسر آسکتے ہیں، جب اصحاب اقتدار معاشرے میں عدل وانصاف کو فروغ دیں۔ انفرادی واجتماعی معاملات میں عدل وانصاف ہی سے امن وعافیت کا استحکام ممکن ہے۔ غریبوں، یتیموں، ناداروں، بیواؤں، بے کسوں اور بے آسرا لوگوں کی خبر گیری کرنا، معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ ہمدردی، مساوات، اخوت وبھائی چارہ کی فضا کا قائم کرنا، اصحاب اقتدار کے لیے ضروری ہے، تاکہ ظلم وجور کا خاتمہ ہو اور عدل وانصاف اور امن وعافیت کو فروغ ملے۔

''**العدل جل جلالہ**'' ہمارے ملک عزیز پاکستان میں عدل وانصاف کو قائم فرمائے۔ عادل، متقی وپرہیزگار لوگوں کو برسر اقتدار لائے، تاکہ ملک میں دہشت گردی، قتل وغارت، چوری، ڈکیتی، بدامنی کا سد باب ہو اور باشندگانِ پاکستان امن وعافیت سے اسلام کے مطابق زندگیاں گزار سکیں، آمین ثم آمین۔

☆☆☆

www.banuri.edu.pk

میرے درد کی دوا کرے کوئی!

مولانا محمد شفیع چترالی

یہ پشاور کا جلوزئی کیمپ ہے ۔ یہاں قبائلی علاقوں درہ آدم خیل، مہمند، باجوڑ اور تیراہ وغیرہ میں گزشتہ کئی برسوں سے جاری فوجی کارروائیوں کے دوران بے گھر ہونے والے ہزاروں خاندان چھوٹے چھوٹے خیموں کے اندر کئی کئی مہینوں اور برسوں سے رہ رہے ہیں ۔ یہاں تاحد نظر خیمے ہی خیمے نظر آتے ہیں اور ان خیمہ بستیوں کے درمیان کھلی جگہوں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر کھیلتے کودتے قبائلی بچے، جو ہر نو وارد کو حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔

میں کچھ ساتھیوں کے ہمراہ جلوزئی کیمپ پہنچا، یہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم ائیر کنڈیشنڈ گاڑی سے اتر کر کیمپ کے اندر داخل ہوئے تو گرم لو کے تھپیڑوں نے ہمارا استقبال کیا۔ جون کے اواخر، دوپہر کا وقت اور پشاور کی گرمی ...... ہمیں یہاں آکر معلوم ہوا کہ موسم کی شدت کیا ہوتی ہے ۔ ہم اندازہ کر سکتے تھے کہ اس خیمہ بستی کے اندر چھوٹے چھوٹے خیموں کے اندر بسے خاندانوں پر کیا بیت رہی ہوگی ۔

گو کہ اس خیمہ بستی میں یونیسیف اور دیگر عالمی اداروں کی نگرانی میں متأثرین کے لیے تھوڑے بہت راشن، پانی، بجلی اور دوا دارو کے انتظامات موجود ہیں، مگر وسیع دالانوں والے اور کھلے گھروں میں رہنے والے قبائلی پختونوں کے لیے ان چھوٹے چھوٹے خیموں کے اندر پورے پورے خاندانوں سمیت رہنا کتنا مشکل، اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوگا، اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہو سکتا ہے جو قبائلی کلچر سے واقف ہو۔ ہمیں یہاں جو بھی شخص ملا، اس نے اسی بات کی شکایت کی کہ انہیں ایک ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جا رہا ہے جس کے وہ عادی نہیں ہیں ۔

ہم نے کندھے پر راشن کا تھوڑا سا سامان اٹھائے ایک قبائلی کو روک کر اس کی مشکلات کا پوچھا تو اس نے سامان نیچے رکھتے ہوئے پہلے تو ایک لمبا سانس لیا اور پھر گویا ہوا، بھائی! ہمارا سب کچھ لٹ گیا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ یہاں اس کیمپ میں ہمیں اپنے بچوں کے لیے تھوڑا سا راشن مل جاتا ہے، مگر ہم اس طرح مانگ کر کھانے کی زندگی کے تو عادی نہیں ہیں ۔ ہم دوسروں کو کھلانا پسند کیا کرتے تھے ۔ ہمیں اپنے

بھرے پرے گھر چھوڑنے پڑے ہیں۔ یہاں اس گرمی میں ہمیں ایک عذاب کا سامنا ہے، نجانے کب تک ہم اس طرح کسمپرسی میں رہیں گے۔ یہاں بچوں اور پردہ دار خواتین کے لیے رہنا بہت مشکل ہے۔ ہم نے مشترکہ عارضی بیت الخلاؤں اور غسل خانوں کے استعمال کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ آپ اربابِ اختیار تک ہمارا پیغام پہنچائیں کہ خدارا! وہ ہمیں جلد اپنے گھروں کو واپس جانے دیں۔ یہاں کی ذلت کی زندگی سے اپنے گھر کی موت اچھی ہے۔ یہ کہہ کر قبائلی کی آنکھیں بھرا گئیں اور ہم انہیں سوکھی تسلی دیتے ہوئے واپس ہو گئے۔

قارئین! یہ اس آئی ڈی پیز کیمپ کی کہانی ہے جو پہلے سے آباد ہے، جسے یونیسیف جیسے عالمی ادارے کی سرپرستی میسر ہے اور جہاں متأثرین کی تعداد بھی سنبھالے جانے کے قابل ہے۔ شمالی وزیرستان میں حالیہ دنوں شروع کیے گئے آپریشن ''ضربِ عضب'' کے لاکھوں متأثرین کو بنوں، لکی مروت، ڈیرہ اسمٰعیل خان، ٹانک اور دیگر ملحقہ علاقوں میں ٹھہرایا گیا ہے، خیبر پختونخوا کے یہ جنوبی اضلاع گرمی اور حبس کے لحاظ سے پنجاب اور سندھ کے گرم ترین علاقوں سے کسی بھی درجے میں کم نہیں ہیں اور مصیبت یہ ہے کہ لاکھوں افراد کو مناسب پیشگی انتظامات کے بغیر ہی ان کے گھروں سے نکال کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

متأثرین کی رجسٹریشن، امداد اور بحالی کے سرکاری دعوے ایک طرف، زمینی صورت حال‘ میڈیا میں شائع اور نشر ہونے والی تفصیلات اور تصاویر سے بالکل عیاں ہے۔ روزنامہ ''اسلام'' کی تازہ رپورٹ کے مطابق شمالی وزیرستان سے بنوں نقل مکانی کرنے والے آئی ڈی پیز کی مشکلات رمضان میں کم ہونے کی بجائے مزید بڑھ گئی ہیں، ان کے لیے ۲ روقت کی روٹی کا حصول مشکل ہو گیا ہے۔ شمالی وزیرستان کے متأثرین کی بڑی تعداد خیبر پختونخوا کے ضلع بنوں میں موجود ہے جن میں سے بیشتر کرائے کے گھروں، رشتہ داروں کے ہاں یا پھر سرکاری اسکولوں میں رہائش پذیر ہیں، تاہم راشن کا حصول ان متأثرین کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف بن چکا ہے۔ دن میں راشن نہ مل سکا تو اب یہی متأثرین رات جاگ کر اشیاءِ خورد و نوش کے حصول کے لیے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ دن کو گرمی ہوتی ہے، رات کو مجبوراً نکلنا پڑتا ہے، روزے ہیں لیکن راشن نہیں ملتا۔ تقریباً ۲ ر ہفتے گزرنے کے باوجود آئی ڈی پیز کی مشکلات کم ہونے کا نام نہیں لے رہیں۔

بعض غیر سرکاری تنظیموں نے متأثرین کی مدد کے لیے اجازت نہ ملنے کے خلاف بنوں میں احتجاجی مظاہرہ بھی کیا۔ برطانوی نشریاتی ادارے نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے قبائلی علاقوں سے آنے والے اکثر لوگ مایوس اور ناخوش ہیں اور ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں جلد ان کے گھروں کو واپس جانے دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپریشن ضربِ عضب کے متأثرین کا مسئلہ ایک بڑا قومی چیلنج بنتا جا رہا ہے اور

www.banuri.edu.pk

اگر اس سے نمٹنے کے لیے بروقت کوششیں نہ کی گئیں تو صورت حال قابو سے باہر ہو سکتی ہے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ:

وہ دہشت گرد بن جاتے ہیں جن کے گھر نہیں رہتے

قبائلی نفسیات سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ قبائلی لوگ بھوک، پیاس، دکھ، درد، زخم سب برداشت کر لیتے ہیں، لیکن بے عزتی و بے توقیری کے احساس کو وہ کبھی ہضم نہیں کرتے۔ قبائلی عوام کو عزت نفس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی، اس لیے جن قوتوں نے آپریشن کو ہی مسئلے کا آخری حل قرار دے کر قبائلی علاقوں میں چاند ماری کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ اگر بے گھر ہونے والے قبائلی عوام کو سنبھالا نہ گیا، تو پھر ایک بڑا آپریشن ان بندوبستی علاقوں میں بھی کرنا پڑ سکتا ہے جہاں لاکھوں قبائلی مسلمان سخت گرمی اور رمضان کے مہینے میں آزمائشوں سے دوچار ہو کر صبر و ضبط کے بندھنوں کو ٹوٹنے سے بچانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

قبائلی علاقوں میں عین رمضان کے آغاز پر نئے آپریشن کے آغاز کا کوئی جواز تھا یا نہیں؟ یہ سوال تو شاید اب بعد از وقت ہوگا، تاہم دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ حلقے جو دن رات حکومت اور فوج کو آپریشن کے لیے اکسا رہے تھے، وہ آپریشن کے متاثرین کی امداد اور بحالی کے لیے کیا کر رہے ہیں؟ مغربی اور مقامی این جی اوز، نام نہاد سول سوسائٹی کے وہ ارکان کہاں ہیں جو انسانیت کی خدمت کے نام پر پورے ملک میں دھما چوکڑی مچائے رکھتے ہیں۔ ان صحافیوں، اینکرز اور کالم نگاروں کا بھی کچھ پتا ہے جو صبح شام حکومت اور فوج کو قبائلی علاقوں میں آپریشن کرنے کی ہلاشیری دے رہے تھے؟ وہ لبرل اور سیکولر سیاسی جماعتیں کہاں کھڑی ہیں جو قبائلی علاقوں میں آپریشن شروع نہ کرنے پر حکومت کو تنقید کا نشانہ بنا رہی تھیں؟ کیا وجہ ہے کہ متاثرین کی امداد کے لیے اگر کہیں کچھ چلت پھرت نظر آتی ہے تو ان چند داڑھی اور پگڑی والے افراد اور دینی رفاہی اداروں کے کارکنوں کی نظر آتی ہے جن کو دہشت گرد اور انتہا پسند قرار دیا جاتا ہے، جن پر پابندیاں لگا دی جاتی ہیں، جن کے اثاثے منجمد کیے جاتے ہیں۔

مگر یہ موقع تلخ باتیں اور شکوہ شکایتیں کرنے کا نہیں، قبائلی عوام امداد کے منتظر ہیں، ان کی ایک ہی پکار ہے کہ:

ابن مریم ہوا کرے کوئی
مرے درد کی دوا کرے کوئی

اس لیے ہمیں آگے بڑھ کر ان متاثرین کی مدد کرنی چاہیے۔

☆☆☆

فرض نمازوں کے بعد دعا کی اہمیت

ترجمہ: مولانا عمران ولی

(پہلی قسط)

جامعہ کے قدیم استاذ اور شعبہ تخصص فی الفقہ وتخصص فی الدعوۃ والارشاد کے نگران حضرت مولانا مفتی محمد ولی درویش رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:۱۹۹۹ء) کی اپنے علمی وطبعی ذوق کے سبب دیرینہ خواہش تھی کہ سندھ کے امام شاہ ولی اللہ، محدث ومفسر ومصنف حضرت العلامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:۱۱۷۴ھ) کا عربی میں تصنیف کردہ رسالہ ''التحفة المرغوبة فی أفضلية الدعاء بعد المكتوبة '' جو ''ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء '' نامی مجموعہ کا پہلا رسالہ ہے، اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۱۷ھ) نے اس کا اختصار کیا ہے، اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا جائے، تاکہ علماء کے علاوہ عوام بھی اس سے مستفید ہوں۔ حضرتؒ کی اسی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لیے اس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے۔

حمد وصلاۃ کے بعد اپنے غنی رب کی رحمت کا محتاج محمد ہاشم بن عبدالغفور ٹھٹھوی (اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر آن اس کا معین و مددگار رہو) کہتا ہے کہ: مجھ سے فرض نماز کے بعد دعا کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ اور جن فرض نمازوں کے بعد سنن مؤکدہ ہوتی ہیں، ان میں سنتِ مؤکدہ سے پہلے دعا کرنا افضل ہے یا بعد میں؟ تو میں نے جواب دیا کہ: فرض نماز کے بعد دعا ''سنت مستحبہ'' ہے، اس کا چھوڑنا اچھا نہیں ہے، خاص کر امام کے حق میں۔ اور جس طرح سنت مؤکدہ سے پہلے دعا کرنا جائز ہے، اسی طرح اس کے بعد بھی جائز ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ دعا سنت سے پہلے کی جائے اگر وہ لمبی نہ ہو۔ بعض معاصر علماء کرام نے تو میری رائے کی موافقت کی اور بعض حضرات نے بعض کتبِ فقہ کی روایات کو بنیاد بنا کر میری مخالفت کی۔ لہٰذا میں نے یہ رسالہ لکھا، اور اس میں مَیں نے وہ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور فقہ کی معتمد روایات ذکر کی ہیں جو سنت سے پہلے دعا کے مکروہ نہ ہونے بلکہ اس کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس رسالہ کو میں نے جمعرات کی صبح ۱۹ رصفر المظفر ۱۱۶۸ھ کو شروع کیا، اور اس کا نام ''التحفة المرغوبة فی أفضلية الدعاء بعد المكتوبة '' رکھا۔ اس رسالہ کی بنیاد دو ابواب اور ایک خاتمہ پر رکھی ہے۔ پہلا باب اس بارے میں ہے کہ نفسِ دعا فرض نمازوں کے بعد سنت مستحبہ ہے۔ اور دوسرا باب اس بارے میں ہے کہ فرض نماز کے بعد سنت سے پہلے دعا کرنا افضل ہے، بلکہ

سنت کے بعد دعا کرنے کی بجائے سنت سے پہلے دعا کرنا افضل ہے، بشرطیکہ دعا طویل نہ ہو۔ اور خاتمہ میں ان روایات کو ذکر کیا ہے جن سے مخالفین نے استدلال کیا ہے (اور ان کا جواب بھی دیا ہے) اور یہ (خاتمہ) اس رسالہ کا حاصل (اور اس کے سبب) کا بیان ہے۔

پہلا باب ''نفسِ دعا فرض نماز کے بعد سنت مستحبہ ہے''

''وہ احادیث مبارکہ جو فرض نماز کے بعد نفسِ دعا کے سنت مستحبہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں''

۱:......امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمل الیوم واللیلة'' میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد (مانگی جانے والی)۔ (۱) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

امام عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی فارسی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''دبر الصلوات المکتوبات'' کی ظاہری عبارت سے مراد یہ ہے کہ دعا فرض نماز کے متصل بعد ہو۔ (۲)

۲:......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''التاریخ الأوسط'' میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ دعا فرماتے تھے۔ (۳)

۳:......امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار کہتے، اور یہ دعا فرماتے: ''أَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ''۔ (۴) اس حدیث کے راوی امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ استغفار کیسے پڑھا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: یوں کہو: ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ''۔

۴:......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیحین، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے تو فرماتے: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، أَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ''۔ (۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الاعتصام'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ: ''إنه صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول: هذه الکلمات دبر کل صلاة''۔ یعنی آپ علیہ السلام مذکورہ (بالا) کلمات کو ہر نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ (۶) اور ''کتاب الصلوٰۃ'' میں لفظ ''مکتوبة'' کے اضافہ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ: ''دبر کل صلاة مکتوبة''، یعنی ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات ذکر فرماتے تھے۔ تو یہ (کلام) اپنے عموم کی وجہ سے ان فرض نمازوں کو بھی شامل ہے جن کے بعد سنتیں (پڑھی جاتی) ہیں اور ان کو بھی جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں۔ (۷)

۵: ...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے: ''لاإلٰہَ إلّاالـلّٰـہُ وَحْدَہٗ لاشَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَئٍ قَدِیْرٌ وَلاحَوْلَ وَلاقُوَّۃَ إلَّابِاللّٰہِ، لانَعْبُدُإلَّاإیَّاہُ، لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لاإلٰہَ إلَّااللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ، وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔''(۸) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔

۶: ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ فرض نماز سے فراغت کے بعد معمولی بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: جب میں اس ذکر کی آواز سنتا تو مجھے معلوم ہوجاتا کہ لوگ نماز سے فارغ ہوچکے ہیں۔(۹) اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اختتام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے (سلام پھیرنے کے بعد) اللہ اکبر کہنے سے معلوم کرتے تھے۔

۷: ...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب الجہاد کے شروع میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے: ''أَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إلٰی أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبَرِ''۔(۱۰)

۸: ...... امام ابوبکر ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مصنَّف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: جب تم میں سے کوئی نماز سے فارغ ہوجائے تو یہ کہے: ''أَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ مِنَ الْخَیْرِ کُلِّہٖ مَاعَلِمْتُ مِنْہُ وَمَالَمْ أَعْلَمُ وَأَعُوْذُبِکَ مِنَ الشَّرِّ کُلِّہٖ مَاعَلِمْتُ مِنْہُ وَمَالَمْ أَعْلَمْ، أَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَاسَأَلَکَ بِہٖ عِبَادُکَ الصَّالِحُوْنَ، وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَااسْتَعَاذَ مِنْہُ عِبَادُکَ الصَّالِحُوْنَ، رَبَّنَاآتِنَا فِیْ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِیْ الْآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا...... وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ، وَلَاتُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، إِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ''۔(۱۱)

۹: ...... امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ نے اپنی سنن اور امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہم نے حلیہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان کلمات کو ہر نماز کے بعد پڑھنا مت چھوڑنا: ''أَللّٰھُمَّ أَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ''۔(۱۲)

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے: ''أَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ وَکَثْرَۃِ ذِکْرِکَ''۔

۱۰: ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فجر اور مغرب (کی نماز) کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پیشتر

www.banuri.edu.pk

اور پاؤں موڑنے سے پہلے (یعنی جس طرح ''التحیات'' کے لیے بیٹھتا ہے، اسی ہیئت کے ساتھ) ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھے: ''**لاَإِلٰہَ إِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَشَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ، یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ**'' تو اس کے لیے ہر ایک مرتبہ (پڑھنے) کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور اس کے دس گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اور یہ کلمات اس کے لیے ہر بری چیز اور شیطان مردود سے امان (کا باعث) بن جاتے ہیں، (یعنی نہ تو اس پر کسی دینی و دنیاوی آفت و بلا کا اثر ہوتا ہے اور نہ شیطان مردود اس پر حاوی ہوتا ہے) اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ (توفیقِ استغفار اور رحمت پروردگار کی وجہ سے) اسے ہلاکت میں نہیں ڈالتا، (یعنی اگر شرک میں مبتلا ہوجائے گا اور شرک پر موت آئی، أعاذنا اللّٰہ منہ، تو پھر اس عظیم عمل کی وجہ سے مغفرت و بخشش نہیں ہوگی)۔ (۱۳) اور وہ شخص عمل کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا، سوائے اس شخص کے جو اس سے زیادہ افضل عمل کرے گا، (یعنی اس شخص سے وہ افضل ہوسکتا ہے جس نے یہ کلمات اس سے زیادہ کہے ہوں)۔

۱۱:......امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے محمد! جب تم نماز پڑھ چکو تو یوں کہو: ''**أَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ، وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ، وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ، وَأَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ، وَإِذَا أَرَدْتَّ بِعِبَادِکَ فِتْنَۃً فَاقْبِضْنِیْ إِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ، أَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ إِلٰی حُبِّکَ**''۔

۱۲:......امام ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں اور ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر کہو: ''**أَللّٰھُمَّ إِلٰھِیْ إِلٰہَ إِبْرَاھِیْمَ وَإِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ، وَإِلٰہَ جِبْرَائِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَإِسْرَافِیْلَ أَسْأَلُکَ أَنْ تَسْتَجِیْبَ دَعْوَتِیْ، فَإِنِّیْ مُضْطَرٌّ، وَتَعْصِمَنِیْ فِیْ دِیْنِیْ، فَإِنِّیْ مُبْتَلًی، وَتَنَالَنِیْ بِرَحْمَتِکَ، فَإِنِّیْ مُذْنِبٌ، وَتَنْفِیْ عَنِّیْ الْفَقْرَ فَإِنِّیْ مُتَمَسْکِنٌ**''۔ (۱۴)

۱۳:......اسی طرح امام ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں (جب بھی) فرض یا نفل نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''**أَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَخَطَایَایَ کُلَّھَا، أَللّٰھُمَّ انْعَشْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ وَالْأَخْلَاقِ، إِنَّہٗ لَایَھْدِیْ لِصَالِحِھَا، وَلَایَصْرِفُ سَیِّئَھَا إِلَّاأَنْتَ**''۔ (۱۵)

(مذکورہ بالا دعا کو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الصغیر'' اور ''الأوسط'' میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ

سے نقل فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ جب بھی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سنی: ''**أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ خَطَايَايَ وَذُنُوبِيْ**''.....اور مذکورہ دعا ذکر فرمائی)۔

۱۴:......امام ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ ''**عمل اليوم والليلة**'' میں اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ ''**الأوسط**'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوجاتے (امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب نماز سے سلام پھیرتے) تو فرماتے: ''**أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ آخِرَهٗ، وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَاتِمَهٗ، وَخَيْرَ أَيَّامِيْ يَوْمَ أَلْقَاكَ**''۔ [۱۶]

میں کہتا ہوں: مطلق نماز یا فرض نماز کے بعد دعا اور ذکر کے بارے میں جو احادیث مبارکہ آئی ہیں، وہ ان احادیث کے علاوہ کثیر تعداد اور وافر مقدار میں ہیں، جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ اور امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی ''**الحصن الحصين**''، امام ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ کی ''**عمل اليوم والليلة**'' اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''**الكلم الطيب**'' میں مذکور ہیں، لیکن میں نے اسی مقدار پر اکتفا کیا اور یہ عمل کرنے والے مومن کے لیے کافی ہے۔

مصادر ومراجع

۱:......سنن الترمذی، ۵/ ۱۸۸۔ سنن النسائی، ص: ۱۸۲-۱۸۷۔
۲:......أشعة اللمعات، ۴/ ۴۵۷۔
۳:......التاریخ الأوسط، ۳، ۲/ ۸۰۔
۴:......مسلم، ۵/ ۸۹۔
۵:......(بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاۃ۔ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ۔ سنن نسائی، سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب مایقول الرجل إذا سلّم۔
۶:......کتاب الاعتصام بخاری، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال ومن تکلیف مالا یعنیہ، ۱۳/ ۲۶۴۔
۷:......بخاری، باب الذکر بعد الصلاۃ، ۲/ ۳۲۵۔
۸:......سنن مسلم، ۵/ ۹۱-۹۲، کتاب المساجد، باب استحب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ۔ سنن أبوداؤد: ۲/ ۱۱۰، کتاب الصلاۃ، باب مایقول الرجل إذا سلم۔ سنن نسائی: ۳/ ۷۰، کتاب السہو، باب عدد التہلیل والذکر بعد التسلیم۔
۹:......بخاری، ۲/ ۳۲۴، کتاب الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ۔ مسلم، ۵/ ۸۳، کتاب المساجد، باب الذکر بعد الصلاۃ۔
۱۰:......بخاری، کتاب الجہاد، ۶/ ۳۵-۳۶، باب مایتعوذ من الجبن۔
۱۱:......مصنف ابن أبی شیبہ، ۱۰/ ۲۳۰، کتاب الدعاء، باب مایقال فی دبر الصلوات، ۱/ ۲۹۶، کتاب الصلوات، باب مایقال بعد التشہد مما رخص فیہ۔
۱۲:......أبوداؤد، ۲/ ۱۱۵، کتاب الصلاۃ، باب الاستغفار۔ سنن النسائی ۳/ ۵۳، کتاب السہو، باب نوع آخر من الدعاء۔
۱۳:......مسند احمد، ۴/ ۲۲۷۔
۱۴:......ابن السنی، عمل الیوم واللیلۃ، ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸۔
۱۵:......ابن السنی، عمل الیوم واللیلۃ، ص: ۱۰۴-۱۰۵۔
۱۶:......ابن السنی، عمل الیوم واللیلۃ، ص: ۱۰۸، رقم: ۱۲۱، وص: ۵۴، رقم: ۱۱۹۔

(جاری ہے)

www.banuri.edu.pk

الفاظِ طلاق سے متعلقہ اُصولوں کی تفہیم وتشریح

(نویں قسط) مفتی شعیب عالم

پندرہواں فائدہ

اضافت کا بیان

اضافت کا لفظ ایک اصطلاح کے طور پر مختلف علوم وفنون میں استعمال ہوتا ہے، مگر یہاں اس کا فقہی مفہوم مراد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر طلاق دیتے وقت اس کی نسبت بیوی کی طرف کرے۔ بیوی کی طرف نسبت اس لیے ضروری ہے کہ وہ طلاق کا محل ہے اور محل نہ ہو تو طلاق نہیں ہوتی، جیسا کہ مبیع نہ ہو تو بیع نہیں ہوتی، تمام کتب اس شرط کے ضروری ہونے پر متفق ہیں اور بہت سے مسائل میں طلاق کے عدم وقوع کی وجہ اسی عدم اضافت کو قرار دیا گیا ہے۔ فقہا کہیں لکھتے ہیں کہ: ''لترکہ الإضافة إلیها'' اور کہیں صراحت کرتے ہیں کہ: ''لأنه ما أضاف الطلاق إلیها'' طلاق کے ذکر میں فقہا نے جو تمثیلات پیش کی ہیں، وہ بھی سب کی سب اضافت پر مشتمل ہیں، جیسے: ''أنت طالق، طلقتک، طلقتها، هی طالق وغیرہ'' علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ایک اصول کے طور پر لکھتے ہیں:

''...لا بد فی وقوعه قضاء ودیانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إلیها...''۔ (۱)

اضافت یا نیت

طلاق کے معاملے میں اضافت کے ضروری ہونے میں تو کلام نہیں، لیکن جب اضافت نہ ہو یا ہو مگر صریح نہ ہو تو پھر شوہر کی نیت دیکھی جائے گی کہ اس کا منشا بیوی کو طلاق دینے کا تھا یا نہیں؟ اگر وہ بیان کر دیتا ہے کہ اس کا مقصد اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا تھا تو طلاق واقع سمجھی جائے گی اور یوں قرار دیا جائے گا کہ اگرچہ لفظوں میں اضافت مفقود ہے، مگر نیت میں موجود ہے:

''لا یقع فی جنس الإضافة إذا لم ینو لعدم الإضافة إلیها۔'' (۲)

''اضافت والے امور میں جب نیت نہ ہو تو بیوی کی طرف اضافت نہ ہونے پر طلاق واقع نہ ہوگی۔''

یہ حوالہ اس بارے میں صریح ہے کہ اضافت کی عدم موجودگی میں نیت ضروری ہے اور اگر نیت

بھی نہ ہو تو طلاق نہ ہوگی، منطقی زبان میں یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے کہ اضافت یا نیت میں سے کسی ایک کا وجود کافی ہے اور اگر دونوں معدوم ہوئے تو حکم بھی معدوم ہوگا۔

اضافت یا نیت کی ضرورت کیوں؟

نیت اور اضافت میں سے کسی ایک کا ہونا اس لیے شرط ہے کہ اگر یہ دونوں نہ ہوں، یعنی نہ تو شوہر نے بیوی کی طرف اضافت کی ہو اور نہ ہی اس کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو اور محض اس بنا پر طلاق کے وقوع کا فتویٰ دیا جائے کہ اس نے طلاق کا لفظ ذکر کیا ہے تو پھر لازم آئے گا کہ ہر اس شخص کی بیوی کو طلاق پڑ جائے جو طلاق کا لفظ زبان پر لائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، قرآن وحدیث میں بار بار طلاق کا لفظ آیا ہے، دینی کتابیں اس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں، مسلمان ان کتب کو پڑھتے ہیں، اساتذہ ان کا درس دیتے ہیں، طلبہ ان کا تکرار کرتے ہیں، اس طرح بار بار یہ لفظ زبانوں پر آتا ہے، مگر چونکہ نہ اضافت ہوتی ہے اور نہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت ہوتی ہے، اس لیے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

اضافت اور نیت... احتمالی صورتیں

اضافت اور نیت جدا اور الگ الگ چیزیں ہیں اور طلاق کے وقوع کے لیے دونوں میں سے کسی ایک کا وجود شرط ہے، اس لحاظ سے دونوں کو ملایا جائے تو کل چار صورتیں بنتی ہیں، یعنی دونوں موجود ہوں، دونوں مفقود ہوں، دونوں میں سے کوئی ایک مذکور ہو۔

ا:...... دونوں موجود ہوں تو وقوعِ طلاق میں کوئی کلام نہیں، کیوں کہ کسی ایک کا وجود بھی کافی ہے، چہ جائیکہ دونوں موجود ہوں۔

۲:...... دونوں نہ ہوں تو عدمِ وقوع یقینی ہے، خانیہ اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ:

''رجل قال لأمرته فی الغضب :''اگر تو زنِ من سہ طلاق'' مع حذف الیاء لایقع، إذا قال:لم أنو الطلاق، لأنہ لما حذف لم یکن مضیفا إلیھا۔''(۳)

''یعنی ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو میری بیوی ہے تو تین طلاق'' اور یوں نہ کہا کہ تجھے تین طلاق'' تو طلاق واقع نہ ہوگی، جب وہ یہ کہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی، کیوں کہ جب اس نے'' تجھے'' کا لفظ نہ کہا تو طلاق کی اضافت بیوی کی طرف نہ کی۔''

مذکورہ بالا جزیئے میں جب شوہر نے'' تجھے'' نہ کہا تو اضافت نہ ہوئی اور جب اس نے اظہار کردیا کہ میرا ارادہ طلاق کا نہ تھا تو نیت کی بھی نفی ہوگئی اور اور جب دونوں نہ پائے گئے تو طلاق بھی نہ ہوئی۔ اس قسم کے کئی جزئیات کتب میں مذکور ہیں، مثلاً محیط میں ہے کہ ایک شرابی نے اپنی بیوی سے کہا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں؟ بیوی نے کہا ''ہاں!'' چاہتی ہوں، تو خاوند نے کہا کہ اگر تو

میری بیوی ہے تو ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اٹھ اور میرے پاس سے نکل جا۔ خاوند کا بیان ہے کہ میں نے اس کہنے سے طلاق مراد نہیں لی تو اس کی بات قابل قبول ہوگی۔ اس طرح ایک نشے والے کی بیوی بھاگ گئی، اس نے تعاقب کیا، مگر اُسے پکڑ نہ سکا تو اس نے کہا تین طلاق کے ساتھ، اب اگر وہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کے ارادے سے کہا ہے تو طلاق ہوگی اور اگر کچھ نہ کہے تو طلاق نہ ہوگی۔

۳:...... تیسری صورت یہ ہے کہ اضافت نہ ہو مگر نیت ہو۔ اس صورت میں بھی طلاق ہو جائے گی۔ پچھلے حوالہ جات میں صرف عدم اضافت کو کافی نہیں سمجھا گیا، بلکہ اس کے ساتھ عدم نیت کو بھی ضروری ٹھہرایا گیا ہے، جس کا کھلا اور صاف مفہوم یہ ہے کہ اگر لفظوں میں اضافت نہ ہو، مگر نیت میں اضافت ہو تو طلاق واقع ہے۔ اس موضوع پر حوالہ جات آگے نیت کے بیان میں درج کیے جائیں گے۔

۴:...... چوتھی صورت یہ ہے کہ نیت نہ ہو مگر اضافت ہو۔ اس صورت کا حکم بھی واضح ہے کہ طلاق ہو جائے گی، کیوں کہ نیت یا اضافت میں سے کوئی ایک موجود ہے، مگر جب اضافت لفظوں میں نہ ہو بلکہ معنوی ہو تو یہ صورت سب سے زیادہ الجھن پیدا کرتی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ نظری حیثیت سے اضافت کا مسئلہ بڑا واضح، الجھن سے پاک اور اختلاف سے خالی نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں اس مسئلے کی عملی تطبیق کافی مشکل ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اضافت کا مسئلہ باوجود مختصر ہونے کے فقہ کے چند الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ بلند پایہ فقہا نے اُسے الگ سے موضوع بحث بنایا ہے۔ اس پیچیدگی کا سبب جزئیات کا اختلاف اور ان کا باہم تعارض نظر آتا ہے۔ ایک اصول کی حیثیت سے یہ مسلمہ اور متفقہ قاعدہ ہے کہ وقوع طلاق کے لیے اضافت ضروری ہے، مگر کہیں بظاہر اضافت نہیں ہوتی اور طلاق واقع ہوتی ہے اور کہیں شوہر کے الفاظ میں اضافت مفقود نظر آتی ہے، مگر وقوع کا حکم لگا دیا جاتا ہے، بعض جزئیات میں مذاکرۂ طلاق کی صورت ہوتی ہے اور شوہر بیوی کے مطالبے پر اس سے مخاطب ہو کر طلاق کے الفاظ ادا کرتا ہے، یعنی اضافت معنویہ موجود ہوتی ہے، مگر حکم عدم وقوع طلاق کا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ حکم اس کے برعکس ہوتا ہے۔ بعض مسائل میں طلاق واقع سمجھی جاتی ہے، مگر یہ کہ شوہر حلفیہ انکار کر دے اور بعض میں شوہر کا اتنی وضاحت دے دینا کافی ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ طلاق کا نہ تھا۔

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

امداد المفتین میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ شامل کیا ہے، جس کا نام ''حکم الإنصاف فی الطلاق الغیر المضاف'' خود حضرت مفتی صاحبؒ نے تجویز کیا ہے، اس رسالے پر بشمول حضرت مفتی صاحبؒ، حضرت گنگوہیؒ، شیخ الہندؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہم سمیت بڑے بڑے اکابر اہل فتاویٰ کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں۔ رسالہ ایک سوال کے

جواب میں ہے اور جواب میں فقہا کی جو عبارتیں صریح اضافت نہ ہونے کی صورت میں مختلف نظر آتی ہیں، ان کے درمیان تطبیق دی گئی ہے اور خود ہی حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام بحث کا نچوڑ اور خلاصہ بھی بیان فرما دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''محصل ایں مقالہ آنکہ در تطلیق اضافت صریحہ ضرور نیست و نہ اضافت معنویہ لابدیہ است۔''

چند سطور کے بعد رقم فرماتے ہیں کہ جن عبارات میں عدم وقوع طلاق کا ذکر ہے، وہ اس صورت میں ہے کہ نہ شوہر کی نیت ہو اور نہ اس لفظ سے طلاق دینے کا عرف ہو:

''...عدم وقوع آں وقت است کہ ارادۂ طلاق زن نہ باشد، نہ عرف جاری باشد۔''(۴)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے باہم متعارض ومتصادم عبارات کے درمیان جوڑ اس طرح بٹھایا ہے کہ وقوعِ طلاق کے لیے مطلق اضافت تو شرط ہے، لیکن صریح اضافت شرط نہیں ہے اور مطلق اضافت کا وجود کسی مضبوط اور قوی قرینے کے مرہون منت ہوتا ہے، اگر قرینہ ضعیف اور کمزور ہو تو وہ اضافت کی شرط پوری کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ سوال کہ قرینہ کب قوی ہوتا ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرینہ چار قسم پر ہے ۱: صریح اضافت۔ ۲: نیت۔ ۳: سوال میں اضافت۔ ۴: عرف۔ آخر میں بطور نتیجہ اور حاصل کے لکھتے ہیں کہ جن جزئیات میں عدم وقوع طلاق کا حکم ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان میں صریح اضافت موجود نہیں، بلکہ سرے سے اضافت ہی نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''الجواب: از قواعد وجزئیات چناں می نماید کہ شرط وقوع طلاق مطلق اضافت ست، نہ کہ اضافت صریحہ، آرے تحقق مطلق اضافت محتاج ست بقرآئن قویہ، وقرائن ضعیفہ محتملہ درآں کافی نیست۔ پس در جزئیاتیکہ حکم بعدم وقوع کردہ اند، سببش نہ آنست کہ درو اضافت صریحہ نیست، بلکہ سبب آن ست کہ درو قرینہ قویہ بر اضافت قائم نیست۔ وآں قرینہ بہ تتبع چند قسم است۔ اول: صراحت اضافت وآں ظاہر است کما قولہ اینکت۔ دوم: نیت کما فی قولہ **عینت امرأتی**، واز عبارت خلاصہ ''**وإن لم يقل شيئا لايقع** '' شبہ نہ کردہ شود کہ نیت بلا اضافت صریحہ کافی نیست، زیرا کہ معنی **لايقع أی لا يحكم بوقوعه مالم يقل عنيت** است چرا کہ بدون اظہار نادی دیگراں راعلم نیت چگونہ می تواں باشد، **فإذا قال: ''عنيت'' يقع، لا لقوله عنيت، لأنه ليس موضوعا للطلاق بل بقوله سه طلاق مع النية فافهم، فإنه متعين متيقن**۔ سوم: اضافت درکلام سائل کما فی قولہ ''دادم'' **فی جواب قولها** ''مرا طلاق دہ'' ولہذا ثلث واقع شود لتکرارہا ثلاثا، ورنہ کلام ''دادم'' نہ برائے طلاق موضوع است ونہ برائے عدد ثلثہ۔ چہارم: عرف **كما فی رواية الشامی: الطلاق يلزمنی** '' پس در جزئیاتیکہ ہمہ قرائن

مفقود باشند طلاق واقع نہ خواہد شد، لا لعدم الإضافة الصريحة بل لعدم مطلق الإضافة، پس بریں تقریر در مسائل ہیچ گونہ تدافع نیست، هذا ماعندی ولعل عند غیری أحسن من هذا۔ (۵)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

امداد الاحکام میں "إزالة الإغلاق عن إضافة الطلاق" کے نام سے اضافت کے مسئلے پر ایک مستقل رسالہ موجود ہے۔ اس رسالے میں جزئیات کا تعارض بایں الفاظ دور کیا گیا ہے:

"جن جزئیات میں اضافت صریحہ نہ ہونے کی وجہ سے عدم وقوع کا حکم مذکور ہے، ان کا مطلب یہی ہے کہ اگر زوج ارادۂ طلاق زوجہ کا انکار کرے اور قرائن بھی ارادۂ زوجہ پر قائم نہ ہوں تو طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن اگر قرائن اضافت الی الزوجہ پر قائم ہوں تو قضاءً بہر حال واقع ہے جب کہ اضافت معنویہ خطاب یا اشارہ موجود ہے..."۔ (۶)

اس اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اضافت معنوی ہو اور قرینہ بھی اضافت پر قائم ہو تو قضاءً طلاق واقع ہے اور اگر قرینہ نہ ہو اور نیت بھی نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جو سوچ مذکورہ رسالے کے پس پشت ہے اور جس سے کام لے کر انہوں نے جزئیات کا تعارض حل کیا ہے، وہ قضا اور دیانت کا فرق ہے، مگر اس سوچ کے بارے میں اپنا تذبذب بھی ظاہر کر دیا ہے، رسالے کے اختتام پر تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت شیخ نے اس تحریر کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ: میرے نزدیک فقہا کی عبارات مطلقہ در باب عدم وقوع بسبب عدم اضافت کو دیانت پر محمول کرنا تقییدِ اطلاق ہے، کیونکہ لایقع میں نکرہ تحت نفی ہے جو عام ہے، اس کو بلا دلیل خاص نہیں کر سکتے، ہاں! یقع نکرہ تحت الاثبات ہے جو عموم میں نص نہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس کو عدمِ وجودِ قرائن پر محمول کیا جائے اور عباراتِ مفیدہ کو قرائن پر، کما فی الجواب۔ قلت وإليه يميل قلبي ولكن في النفس بعد شيء ولعل الله يحدث بعد ذلك أمرًا۔"

حوالہ جات

۱:......ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر: ان الصریح...ج:۳،ص:۲۵۰، ط: سعید

۲:......الفتاوی الهندية، کتاب الطلاق، الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسية، ج:۱،ص:۳۸۲، ط: رشیدیہ

۳:......ایضاً۔

۴:......امداد المفتین، کتاب الطلاق، ص:۵۰۸۔

۵:......امداد الفتاویٰ، کتاب الطلاق، ۲/۴۴۷، ط: دار الاشاعت

۶:......امداد الاحکام، ج:۲،ص:۳۹۴

(جاری ہے)

الحاج نثار احمد خاں فتحی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد زین العابدین

گزشتہ دنوں حضرت قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز، حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد، کئی کتابوں کے مصنف اور بزرگ شخصیت جناب الحاج نثار احمد خاں فتحی صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون۔

جناب الحاج نثار احمد خاں فتحی صاحب نہایت ہی خلیق صفت انسان، تصوف وسلوک کے شناور اور للّٰہیت وعشق و جذب میں ڈوبے ہوئے عظیم بزرگ تھے۔ وہ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو آگرہ انڈیا میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں اکیلے پاکستان کی طرف ہجرت کی، بعد میں والدین اور دیگر اعزا بھی آگئے۔ یہاں آئے تو عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوگئے اور بی۔اے تک تعلیم حاصل کی۔اسی دوران (۱۹۵۱ء میں) آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ دِینی تعلیم با قاعدہ کسی مدرسہ میں حاصل نہ کر سکے تھے، اس لیے اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

عشق کی چند حدیثیں غم جاناں کی کتاب
بس میرا علم یہیں تک ہے یہی میرا نصاب

۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۱ء تک ایک کمپنی میں ملازمت کرتے رہے، اس دوران بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کے بھرپور مواقع نصیب ہوئے۔ وہ ابتدا ہی سے شعروشاعری کا بھرپور ذوق رکھتے تھے اور اس ذوق کو دلوں میں عشق الٰہی اور محبت نبوی کو پروان چڑھانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ عاشقانہ اشعار اُن کی زبان پر مچلتے رہتے تھے، اُن کے قریبی بعض احباب کے ذریعے معلوم ہوا کہ مدینہ کے سفر میں بے قرار ہوکر یہ مصرع پڑھتے تھے:

اللہ اللہ مدینہ قریب آتا ہے

ان کا منظوم کلام ملک کے متعدد رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہا۔

ان کے مزاج و مذاق میں جذب کا اثر نمایاں تھا جو ان کی تحریر وتقریر سے عیاں ہے، یہی جذب انہیں حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ اجل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کے خلیفہ مجاز حضرت قاری فتح محمد پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گیا اور تاحیات حضرت پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ سے مستفید ہوتے اور ان کی صحبتیں اٹھاتے رہے، یہاں تک کہ خلافت سے نوازے گئے، حضرتؒ کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ ''فتحی'' کا لاحقہ لگایا کرتے تھے۔

ان کی طبیعت دنیا سے متوحش اور آخرت کی طرف راغب رہتی تھی۔ بزرگانِ دین اور صوفیا کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور ان سے تعلق رکھنے میں اُنہیں سکون ملتا تھا۔

وہ ہر وقت دینی سوچ و بچار میں مستغرق رہتے تھے، کئی کتابوں کے مصنف اور ایک بزرگ کے خلیفہ ہونے کے باوجود طبیعت میں کسی قسم کی بھی بڑائی کا شائبہ نہیں تھا۔ مذکورہ بالا بزرگوں اور خاص کر اپنے شیخ اولؒ کی وفات کے بعد بھی دورِ حاضر کے مشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضری دیتے تھے۔ البتہ ایک انفرادی بات اُن میں یہ پائی جاتی تھی کہ اپنے تئیں جو بات ذرا بھی غیر مناسب سمجھتے، برملا اس کا اظہار کر دیتے، اس سلسلہ میں اپنے معاصر تو معاصر، بزرگوں اور مشائخ تک سے وہ بات کھل کر کہہ دیتے تھے، جو اُن کے نزدیک محل نظر ہوتی تھی۔ چہ جائیکہ فی الواقع وہ بات بالکل درست ہی ہو۔

حضرت قاری فتح محمد پانی پاتی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے تھے۔

چونکہ اپنے شیوخ کے ساتھ ساتھ دیگر اکابر سے بھی تعلق و محبت رکھتے تھے، چنانچہ ان میں سے کسی کی بھی وفات کا سانحہ آپ کے لیے سوہانِ روح کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے موقع پر اپنے تعزیتی شذرہ میں لکھا:

> ''حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت شہید ہوئے جب صاحبانِ علم اور عوام الناس ان کے علم وفقہ کے محتاج تھے، اہل دانش کو ان کے فہم وتدبر کی ضرورت تھی، اہل سیاست ان کی قیادت کے حاجت مند تھے۔ وہ لشکر اسلام کے اس جرنیل کی طرح تھے جو دین کے ہر محاذ پر، ہر ہر معرکہ اور ہر ہر مورچہ پر جا کر دشمنانِ دین کے حملے پسپا کرتا ہے اور وہیں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو جاتا ہے۔

آنکھیں اشکبار رہیں کہ اسلام کے اس سپاہی کو کہاں کہاں تلاش کریں؟ دل مضطرب ہے کہ

علم و دانش کے اس گوہر بے بہا کے بغیر کیسے آرام پائے؟ عقل پوچھتی ہے کہ گلشن بشری کے اس گل رعنا کو کہاں ڈھونڈا جائے؟

......میری ایک عزیزہ انگلینڈ سے آئیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس کون کون سی کتابیں ہیں؟ اور تمہیں جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو کس سے رجوع کرتی ہو؟ وہ کہنے لگیں کہ پہلے تو ہمیں اس سلسلے میں بڑی پریشانی تھی، لیکن اب ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' نامی کتاب کئی جلدوں میں ہم نے خریدی ہے اور ہمارے اکثر مسائل ان میں مل جاتے ہیں۔ ایک فقیہ کی اس سے بڑھ کر دینی خدمت اور کیا ہوسکتی ہے؟

.....زندگی کے آخری پانچ برسوں میں ایک خلقت کثیر کا آپ کی طرف رجوع ہوا، کیا عوام اور کیا خواص! سب کے قلوب آپ کی طرف کھنچتے گئے، یہاں تک کہ آپ کی شہادت سے کچھ عرصہ قبل تمام اکابر علما آپ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ میں ''من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ'' کا وصف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

ماہنامہ بینات کی ادارت کے دوران ''بصائر وعبر'' کے تحت نثر کے جو جو جواہرات حضرت شہیدؒ نے بکھیرے ہیں، ان کی ندرتِ بیان، برجستگی اور الفاظ کی شگفتگی اردو کے کسی بھی بڑے بڑے سے صاحب طرز ادیب کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔ میرے شیخ حضرت اقدس حافظ قاری فتح محمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی توصیف میں بھی رقمطراز ہوئے۔

یا اللہ! حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کو جنت کے اعلیٰ درجات عطا کر کے ہمیں ان کا کوئی نعم البدل عطا فرما۔'' (بینات، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نمبر)

باقاعدہ درسِ نظامی نہ پڑھنے کے باوجود بزرگوں کی صحبتیں اُٹھانے کی بنا پر آپ میں لکھنے پڑھنے کا خوب ذوق پیدا ہوگیا تھا، یہی وجہ ہے کہ پندرہ کے قریب کتابوں کے مصنف ٹھہرے، آپ کی تصانیف میں'' بائیس جھوٹے نبی، کذابِ یمامہ سے کذابِ قادیان تک، ظہور مہدی اور ہمارے اندازے، بنام قادیانی عوام، تہمت وہابیت اور علمائے دیوبند ایک غلط فہمی کا ازالہ، کیا آپ موت کے لیے تیار ہیں؟، مغرب زدہ مسلمانوں کے نام، عجائباتِ روح، آئینۂ سلوک، دشت سلوک، طشت جواہر، حسرت نایافت، پاکستان میں مغربی افکار وثقافت کا نفوذ اور اس کے اسباب'' شامل ہیں۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

www.banuri.edu.pk

قربانی کے احکام ومسائل

ادارہ

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

قرآن مجید میں سورۂ ''والفجر'' میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق

'' ألله أكبر ألله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر ألله أكبر ولله الحمد ''۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد بآوازِ بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح مرد وعورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بآوازِ بلند تکبیر نہ کہے، آہستہ سے کہے۔ (شامی)

عید الاضحیٰ کے دن مذکورہ ذیل امور مسنون ہیں

صبح سویرے اُٹھنا، غسل ومسواک کرنا، پاک وصاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں بآوازِ بلند تکبیر کہنا۔

نمازِ عید

نماز عید دو رکعت ہیں۔ نماز عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت

کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں ''**سبحانک اللّٰھم**'' پڑھنے کے بعد قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔

☆......اگر دورانِ نماز امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو ازدحام کی وجہ سے نماز درست ہوگی، سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔

☆......اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا، یعنی ثناء ''**سبحانک اللّٰھم**'' کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔

نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا مسنون ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

فضائل قربانی

قربانی کرنا واجب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔ جس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو تو یہ اُس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعید ارشاد فرمائی۔ حدیث پاک میں بہت سی وعیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ علاوہ ازیں خود قرآن میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے۔ جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو حجت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متأثر ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں یا یتیم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ عمل کی ایک تو صورت ہوتی ہے، دوسری حقیقت ہے، قربانی کی صورت یہی ضروری ہے، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں، اس کی حقیقت اخلاص ہے۔ آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

قربانی کی بڑی فضیلتیں ہیں

مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ اون کے متعلق فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے

زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لیے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں، الا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔ (طبرانی)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، اس لیے اہل اسلام سے درخواست ہے کہ اس عبادت کو ہرگز ترک نہ کریں جو اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں جن شرائط وآداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اُنہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔ قربانی سے متعلق مسائل آئندہ سطور میں درج کیے جا رہے ہیں:

مسائل قربانی

مسئلہ نمبر:۱...... جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے، اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔

☆...... یعنی قربانی کے تین ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲/ذوالحجہ) کے دوران اپنی ضرورت سے زائد اتنا مال یا اشیا جمع ہو جائیں کہ جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو تو اس پر قربانی لازم ہے، مثلاً: رہائشی مکان کے علاوہ کوئی مکان ہو، خواہ تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ضروری سواری کے طور پر استعمال ہونے والی گاڑی کے علاوہ گاڑی ہو تو ایسے شخص پر بھی قربانی لازم ہے۔

مسئلہ نمبر:۲...... مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر:۳...... قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہو جانے کے بعد درست نہیں۔ قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے، اگرچہ رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن افضل بقرہ عید کا دن، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر:۴...... شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لیے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ دیہات اور گاؤں والے صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بھی قربانی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں۔ اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لیے دیہات میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی بھی نمازِ عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگوا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۵...... اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے، یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروبِ شمس سے پہلے اتنا مال آ جائے کہ صاحب نصاب ہو جائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

☆...... نیز اگر مسافر مالدار ہو، دورانِ سفر قربانی کے لیے رقم بھی ہو اور وہ پندرہ دن سے کم عرصہ کے لیے رہائش پذیر ہونے کے باوجود بآسانی قربانی کر سکتا ہو تو قربانی کر لینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر:۶......قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کرسکتا ہو تو کسی اور سے بھی ذبح کرا سکتا ہے۔

☆......بعض لوگ قصاب سے ذبح کراتے وقت ابتداءً خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکبیر پڑھیں، اگر دونوں میں سے ایک نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی، ج:۶،ص:۳۳۴)

مسئلہ نمبر:۷......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں، دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۸......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے: ''**إِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ، أَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ**''۔اس کے بعد ''**بسم اللّٰہ أللّٰہ أکبر**'' کہہ کر ذبح کرے۔ (کذا فی سنن ابی داؤد)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: ''**أللّٰھم تقبّلہ منّی کما تقبّلت من حبیبک محمد وخلیلک إبراھیم علیھما الصلوٰۃ والسلام**''۔

مسئلہ نمبر:۹......قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے نہیں، اولاد چاہے بالغ ہو یا نابالغ، مالدار ہو یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر:۱۰......درج ذیل جانوروں کی قربانی ہوسکتی ہے: اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔

بکرا، بکری، بھیڑ اور دُنبہ کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔

☆......گائے، بھینس اور اُونٹ وغیرہ میں سات سے کم افراد بھی شریک ہوسکتے ہیں، اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہوجائے۔ نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کرلیں، یہ بھی درست ہے۔ یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔

☆......اسی طرح اگر کئی افراد مل کر ایک حصہ ایصالِ ثواب کے طور پر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ سارے شرکا اپنی اپنی رقم جمع کرکے ایک شریک کو ہبہ کردیں اور وہ اپنی طرف سے قربانی کردے، اس طرح قربانی کا حصہ ایک کی طرف سے ہوجائے گا اور ثواب سب کو ملے گا۔

مسئلہ نمبر:۱۱......اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کرلوں گا اور بعد میں کسی اور کو قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت نہ تھی، بلکہ پورا جانور اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک

کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا اور اگر مالدار ہے تو شریک کرسکتا ہے، البتہ بہتر نہیں۔

☆......ایک جانور قربانی کرنے کے لیے خریدا، اگر اس کے بدلے دوسرا حیوان دینا چاہے تو جائز ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دوسرا حیوان کم از کم اسی قیمت کا ہو، اگر اس سے کم قیمت کا ہو تو زائد رقم اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر زبانی طور پر جانور کو متعین نہ کیا ہو، بلکہ یہ ارادہ کیا ہو کہ اگر اچھی قیمت میں فروخت ہو رہا ہو تو فروخت کردیں گے۔ اس صورت میں اصل قیمت سے زائد رقم اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر:۱۲......قربانی کا جانور گم ہوا، اس کے بعد دوسرا خریدا، اگر قربانی کرنے والا امیر ہے تو ان دونوں جانوروں میں سے جس کو چاہے ذبح کرے، جب کہ غریب پر ان دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔

وضاحت: اگر کسی آدمی نے قربانی کے لیے جانور خریدا اور خریدنے کے بعد وہ جانور قربانی کرنے سے پہلے گم ہوجائے تو صاحب حیثیت آدمی پر قربانی کے لیے دوسرا جانور خریدنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر قربانی شرعاً واجب تھی اور واجب ادا نہیں ہوا، جبکہ فقیر آدمی پر دوسرا جانور خریدنا اور قربانی کرنا لازم نہیں تھا، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور بھی خرید لیا، اب اگر مالدار اور غریب ہر دو کا پہلا گم شدہ جانور مل جائے تو امیر پر صرف شرعی واجب (قربانی) کا ادا کرنا لازم ہے، جس جانور کو ذبح کردے کافی ہے، جب کہ غریب پر خود سے واجب کردہ جانوروں کی قربانی کرنا لازم ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ امیر آدمی پر نصاب کی وجہ سے قربانی واجب تھی، اس نے وہ ادا کردی، اس کے حق میں جانور متعین نہیں ہوا تھا، اُسے اختیار ہے کہ جس جانور کو چاہے ذبح کردے، جبکہ غریب آدمی پر قربانی لازم نہیں تھی، غریب نے از خود جانور خرید کر اپنے پر قربانی کو لازم کرلیا اور جو جانور اس نے خریدا وہ بھی متعین ہوگیا، اب پہلا جانور جو غریب کے حق میں قربانی کے نام سے متعین ہو چکا، اگر وہ گم ہوجائے تو اس کے بدلے دوسری قربانی لازم نہ تھی، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور خرید کر اپنے پر قربانی لازم کرلی، اس بنا پر فقیر آدمی پر دوسری قربانی بھی لازم ہوئی۔ لہٰذا غریب آدمی دونوں جانوروں کی قربانی کرے گا۔ بخلاف مالدار کے کہ اس پر صرف قربانی لازم ہے، جانور متعین نہیں ہے، دونوں جانوروں میں سے کسی ایک کی قربانی کردے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۳......قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکاء ہیں تو گوشت وزن کرکے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر:۱۴......بھیڑ، بکری جب ایک سال کی ہوجائے، گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا تو اس کی قربانی جائز ہے، اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں! دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

☆......موجودہ دور میں جانوروں کو تول کر (وزن کرکے) خرید و فروخت کرنا بھی جائز ہے، ایسی قربانی بلاشبہ درست ہے۔

www.banuri.edu.pk

مسئلہ نمبر: ۱۵......قربانی کا جانور اگر اندھا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆......گائے اور بھینس کے دو تھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۶......اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لنگڑا ہے، یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھے پاؤں کا سہارا نہیں لیتا تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۷......قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ ہونا چاہیے، اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆......بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاوے یا ریا و نمود کے لیے خریدتے ہیں، ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۸......اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر اکثر دانت باقی ہوں، کچھ گر گئے ہوں تو قربانی جائز ہے۔

☆......اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی ہو سکتی ہے، تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۹......جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۰......اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متأثر ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں، جیسے: اونٹ تو بلا کراہت جائز ہے۔

☆......اسی طرح گائے، بکری وغیرہ کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۱......خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گیا ہو تو پھر جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۲۲......اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو تو مالدار شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بدلے خرید کر قربانی کرے، غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔

☆......اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہو جائے، مثلاً:

ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط کرنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر: ۲۳......قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے لیے رکھے، ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء ومساکین کو دے، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لیے رکھے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۴......قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کر کے اس کی قیمت فقراء کو دے، البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے تو سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم دین کا احیاء سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۵......قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جا سکتا ہے، اس طور پر کہ اس کا عین باقی رہے، مثلاً: مصلیٰ بنائے یا رسی یا چھلنی بنائے تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۶......قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام ومؤذن یا مدرس یا خادم کی تنخواہ میں نہیں دی جا سکتی، نہ اس سے مدارس کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ شفاخانوں یا دیگر رفاہی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر: ۲۷......قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

☆......اگر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہو گئی یا چھن گئی تو اُسے چاہیے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ کر دے، اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر: ۲۸......اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے، اور اگر جانور خریدا تھا، مگر قربانی نہیں کی تو بعینہٖ وہی جانور خیرات کر دے۔

مسئلہ نمبر: ۲۹......ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۰......اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم واجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر: ۳۱......قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے، البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ نمبر: ۳۲......گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے، اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دے۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کر دیا جائے۔

☆......قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اُسے صدقہ کرے، اگر بیچ دیا تو اس کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع، ج:۵، ص:۸۷)

مسئلہ نمبر: ۳۳...... جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ یکم ذوالحجہ سے قربانی کا

www.banuri.edu.pk

جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن ۔ (ابوداؤد)

☆......البتہ اگر زیرِ ناف اور بغل کے بالوں پر چالیس روز کا عرصہ گزر چکا ہو تو ان بالوں کی صفائی کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۴......قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھ سکتا ہے ۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۵...... جانور ذبح کرنے کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے، تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو ۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۶......اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کو کھلا دے، خود کچھ بھی نہ کھائے تو ایسا کرسکتا ہے ۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۷......خصی جانور کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی بہ نسبت گوشت زیادہ ہوتا ہے ۔

مسئلہ نمبر: ۳۸......ذبح کرتے وقت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہیے، مثلاً: ''**باسم اللّٰہ تقبل من فلان**'' ۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۹......اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہو جائے تو قربانی واجب ہے، اس کے گوشت سے خود نہیں کھا سکتا، سارا فقراء اور مساکین کو کھلا دے ۔

مسئلہ نمبر: ۴۰......اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو تو اس کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہیں کرنا چاہیے ۔ اگر شریک کیا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی ۔

ایسا شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہو، اس پر قربانی لازم نہیں، کیونکہ اس کا سارا مال واجب التصدق (بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری) ہے ۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے، بلکہ وہاں صرف پاکیزہ مال سے کیا ہوا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے ۔

مسئلہ نمبر: ۴۱......بکری کے علاوہ دوسرے کسی جانور میں تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ تقسیم کئے بغیر فقراء کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں ۔

☆......البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کر رہے ہیں تو پھر تقسیم سے پہلے کسی فقیر کو دینا درست نہیں ۔

مسئلہ نمبر: ۴۲......کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ کھائے ۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قربانی کی روح اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری یہ ظاہری قربانی حقیقی قربانی کے لیے پیش خیمہ ہو اور ہم اس ظاہری و مادی قربانی کی طرح اللہ کے حکم پر اپنی جان کی قربانی کے لیے بھی ہمیشہ تیار رہیں ۔

واللّٰہ الموفق والمعین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین

www.banuri.edu.pk